لانبی بعدی

(حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے)

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرف انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے نہ کسی دوسری مشعل راہ کی ضرورت رہی نہ کسی اور ہادی کی احتیاج۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراط مستقیم ہے جس پر اس ذات اقدس و اعظمؐ کے نقوش قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں جس ذات ارفع و اعلیٰ کے متعلق خود خالق کائنات نے فرما دیا ہے کہ

وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ (53:7)

محمد انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہے

انسانیت کے شرف اعلیٰ کا یہی وہ مقام ہے جس کے پیش نظر خدا اور اس کے فرشتے اس ذات گرامی پر ہزار تحسین و تبریک کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (33:56)

ہمارا ایمان ہے کہ جس دن انسانی ہیت اجتماعیہ نے اس ذات گرامیؐ کی حیات طیبہ کو اپنے سامنے بطور نمونہ (اسوہ حسنہ) رکھ لیا یہ دنیا جنت ارضی میں تبدیل ہو جائیگی۔

ان تصریحات کی روشنی میں کوئی بھی مدعی نبوت اور اس کے دعاوی کو سچا سمجھنے والا خواہ وہ قادیانی ہو یا لاہوری' ہمارے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔

(علامہ پرویز کی کتب معراج انسانیت اور ختم نبوت اور تحریک احمدیت سے ماخوذ)

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

25-B گلبرگ 2 طلوع اسلام روڈ لاہور 54660

Phone: 5714546/5753666/5764484

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری

ناظم :- محمد لطیف چوہدری

ناشر :- عطا الرحمان ارائیں

قانونی مشیر

جناب عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

جناب ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

جناب محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

ادارت

مدیر :- محمد لطیف چوہدری

مدیر معاون :- سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر' محترمہ شیم انور

سرکولیشن مینجر

مرزا محمد زمرد بیگ

کمپوزر

شعیب حسین

پرنٹرز :- نذیر شریف پرنٹرز' 43 ریٹی گن روڈ' لاہور

زر شرکت

اندرون ملک	ایک پرچہ بحساب =/15 روپے فی پرچہ
	پانچ پرچے بحساب =/10 روپے فی پرچہ
	سالانہ =/170 روپے
بیرون ملک	سالانہ =/800 روپے

بنک اکاؤنٹ

نیشنل بینک آف پاکستان۔ مین مارکیٹ برانچ' گلبرگ 2- لاہور

اکاؤنٹ نمبر 3082-7

EMAIL LINKS

IDARA
idara@toluislam.com
TRUST
trust@toluislam.com
LONDON
maqbool.farhat@virgin.net
KUWAIT
teeba@ncc.kw
NORWAY
khadim@qila.gs.oslo.no
DEMNARK
hkh@cowi.dk
CANADA
bazmtoronto@hotmail.com
PUBLISHER
farata@brain.net.pk

More addresses are expected.

فہرست

لمعات	(ادارہ)	4
حج کا مقصد	(علامہ غلام احمد پرویزؒ)	10
نذیر نیازی (مرحوم)	(قاضی عبدالرسول)	18
اگر پاکستان نہ بنتا	(پروفیسر محمد منور)	20
نماز پنج گانہ	(علامہ رحمت اللہ طارق)	30
یہ ہمارا خواب تھا	(ادارہ)	34
مسلمانوں کے مروج شعائر	(ادارہ)	37
اقبال اور قرآن	(ڈاکٹر نعیم احمد)	38
ٹیڑھا راستہ	(ڈاکٹر مرتضیٰ عادل)	43
خدا نے کہا	(ڈاکٹر شبیر احمد)	49
حقائق و عبر	(ادارہ)	53
نقد و نظر	(ادارہ)	56
Genetic Programming In The Nutfah Stage	(Joe Léigh Simpson) Abdul Majeed A.Zandani Mustafa A.Ahmed	64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

قانون کی حکمرانی

آپ نے کبھی کوئی پتھر بلندی سے لڑھکتا دیکھا ہے' جوں جوں وہ نیچے آتا ہے اس کی رفتار بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

یہی حال تنزل کی طرف رخ کر چکی سوسائٹی اور ملک کا ہوتا ہے' ہر کوئی اس کی گراوٹ کی بڑھتی ہوئی رفتار دیکھ کر لرز جاتا ہے' چونک اٹھتا ہے' ہمارے ملک کی بھی یہی حالت ہے' زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے کے لہجے میں یہی تشویش جھلکتی نظر آتی ہے۔

کوئی کہتا ہے سیاست میں جو گراوٹ اب آئی ہے پہلے کہاں تھی' گو سیاست پہلے بھی اونچے طبقے کی اجارہ داری تھی مگر اس وقت اس میں نامی گرامی خاندانی لوگ ہوتے تھے' یہ نودولتیے' جرائم پیشہ لوگ کب ان ایوانوں میں راہ پاتے تھے'۔۔۔ کوئی کہتا ہے بیوروکریسی اس حد تک کرپٹ ہو چکی ہے کہ کوئی کام بھی تو رشوت اور سفارش کے بغیر نہیں ہو سکتا' عام سے عام' سادہ سے سادہ معمول کے کام کے لئے بھی کاغذوں کے نیچے پہیے لگانے پڑتے ہیں۔

انکم ٹیکس' سیلز ٹیکس' کسٹم' پولیس کے محکموں کے متعلق شکایات تو ایک زمانے سے چلی آرہی ہیں اور اب معمول کا حصہ بن چکی ہیں۔ ان محکموں کی برائیوں کی بارے میں آپ جتنا بھی مبالغہ آمیز قصہ سنائیں لوگ جھٹ یقین کر لیں گے۔

اب تو ڈاک اور تار' ٹیلی فون اور ریل کے محکمے بھی ملامت کی اس دوڑ میں شامل ہو چکے ہیں۔

تعلیم کے میدان کے کسی پرانے شخص سے بات کریں تو وہ تعلیم کے موجودہ معیار اور طالب علموں کے نئے رجحانات سے نالاں نظر آئے گا۔۔۔ کوئی سلیبس کا رونا روتا ہے' کوئی استادوں سے بیزار'

استاد سے بات کرو تو وہ شاگردوں کے ہاتھوں پریشان ہے۔۔۔ نقل اتنی عام ہے کہ ممتحن بے بس نظر آتے ہیں۔

لوگ پولیس سے ہی نہیں عدالتوں اور نظام عدل کے ہاتھوں بھی پریشان ہیں۔

پریشان تو لوگ ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کے رویے سے بھی ہیں' ذخیرہ اندوزی' چور بازاری ہی کچھ کم آفتیں نہ تھیں کہ ملاوٹ نے زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔۔۔

اور ان میں تازہ ترین آفت کا اضافہ منشیات اور ان کا بڑھتا ہوا استعمال ہے۔

یہ بات بھی نہیں کہ کسی نے ادھر دھیان نہیں دیا یا اصلاح احوال کی کوشش نہیں کی' بارہا کوششیں کی گئیں' برائیوں کو ختم کرنے کے لئے کمیشن بنائے گئے' کمیٹیاں تشکیل دی گئیں' قانون بنائے گئے' نئے نئے محکمے وجود میں آئے' لوگوں نے کرپشن پہ شور مچایا تو سرکار نے اینٹی کرپشن کا محکمہ بنا دیا جس کا فرض کرپشن کو ختم کرنا تھا مگر ہوا یہ کہ کرپشن اور بڑھ گئی اس لئے کہ الزام دینے والوں کے بقول ایک اور ساجھے دار پیدا ہو گیا۔

محکمے از خود اصلاحی اقدامات سے معذور و مجبور نظر آنے لگے تو ان پہ ایک نیا احتسابی ادارہ۔۔۔ وفاقی محتسب کی صورت میں بنا دیا گیا۔۔ مگر روائتی سرخ فیتے سے باہر تو کوئی بھی نہ نکل سکا' اس کی بھی اپنی حدود اور پابندیاں ہیں' اور پھر ایک وفاقی محتسب اور بیسیوں حکومتی ادارے' وزارتیں اور محکمے'۔۔۔ یک انار صد بیمار والی بات ہے' وفاقی محتسب بھی حالات اور واقعات کو دیکھ کر کہہ اٹھتا ہو گا۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔

ایک سہانی صبح اخباروں پہ نظر پڑتی ہے' ایسی خبر چھپتی ہے کہ سبھی چونک اٹھتے ہیں' ہر جگہ اس کا ذکر ہوتا ہے' کالم چند دن اسی سے بھرے رہتے ہیں۔۔ پھر آہستہ آہستہ خبر ختم ہو جاتی ہے اور وہی بات جو پہلے اتنی اہم لگتی ہے۔ آہستہ آہستہ بے وقعت ہو کر معدوم ہو جاتی ہے۔۔۔۔

ہائی کورٹوں کے جج صاحبان از خود کسی بات کا نوٹس لیتے ہیں اور انتظامیہ کو پابند کر دیتے ہیں کہ معاملے کو ان کے روبرو پیش کیا جائے مگر ہوتا یہی ہے کہ جن محکموں کے خلاف وہ بات جاتی ہے اسی کے اہل کار اپنی رپورٹیں لے کر پیش ہوتے ہیں' جرم کے معاملے میں پولیس ہی کیس تیار کرتی ہے اور زمین کے معاملے میں پٹواری' اس کے رجسٹر اور نقشے ہی حرف آخر ہوتے ہیں۔

پھر کیا اس کا کوئی حل نہیں' کیا یہ مسئلہ لاینحل ہے' کیا ہم ہار مان کر بیٹھ جائیں اور انتظار کرتے رہیں کسی مسیحا کا' وہ آئے اور معجزہ دکھائے اور مسائل حل کر دے۔۔۔۔

یا پھر جب خلفشار حد کو پہنچے تو کوئی خونیں انقلاب آئے اور اس نظام کو الٹ پلٹ کر رکھ دے ایسے میں ہوتا کیا ہے؟ بطور ردعمل' محروم طبقے اٹھتے ہیں اور موجود نظام کو تہس نہس کر دیتے ہیں' اوپر کے طبقوں اور ان کی حمایت میں آنے والی تمام مزاحم قوتوں کو بزور ختم کر دیتے ہیں اور بس ! یہ محض ایک فساد ہوتا ہے انقلاب نہیں' انقلاب تو قلب کی تبدیلی' خیالات کی پاکیزگی اور سیرت کی پختگی کا نام ہے۔ سیرت و کردار کی یہ تبدیلی ایسے انسان سامنے لاتی ہے جو تاریخ کا دھارا تک بدل کر نئی دنیا وجود میں لاتے ہیں اور ایسی تبدیلیوں کا باعث بنتے ہیں جو عام حالات میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ لوگ معاشرے سے فساد' اونچ نیچ کو دور کر کے ایک نئے معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں--------- انبیاء علیہم السلام کے تربیت یافتہ ساتھیوں کے ہاتھوں لائی تبدیلیاں اس کی مثال ہیں---

یہ بات تو طے ہے کہ سیرت و کردار کی یہ تعمیر تعلیم کے بغیر ممکن نہیں اور زمانہ گواہ ہے کہ ہم نے آزادی کے یہ چوالیس سال اس معاملے میں مجرمانہ غفلت میں گزارے ہیں' تعلیم پر کوئی توجہ ہی نہیں دی گئی' ہم شب و روز اس بات کا تو چرچا کرتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پہ' اسلام نافذ کرنے کے لئے حاصل کیا گیا ہے' پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے--- اور کون نہیں جانتا کہ نظریاتی مملکت میں اس نظریئے کو سامنے رکھ کر زندگی کے تمام شعبوں کی پلاننگ کی جاتی ہے' ایک نظریاتی مملکت کی سیاست' معیشت اور سب سے بڑھ کر تعلیم اس نظریے کی حامل اور مظہر ہوتی ہے۔ مگر ہمارے ہاں اور شعبوں کی طرح تعلیم میں بھی اس سے لاتعلقی اور بے اعتنائی برتی گئی' بغیر کسی ہدف' بغیر کسی منزل اور سمت کے تعین کے اسے پھیلنے دیا گیا' گلی گلی' محلہ محلہ انگلش میڈیم سکول تو کھل گئے مگر مقصد خالصتاً" کاروباری رہا۔ جگہ جگہ سکول کھلنے کے باوجود' چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود شرح خواندگی وہیں کی وہیں رہی بلکہ پہلے سے بھی کم ہو گئی' اس سے ثابت یہ ہوا کہ زرگری کا یہ سلسلہ محض چند بڑے شہروں میں سرکاری درس گاہوں سے بالائی کو منتقل کرنے کے لئے قائم کیا گیا--- سرکاری درس گاہیں ان کے لئے رہ گئیں جو غیر سرکاری سکولوں کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے اور سرکاری درس گاہوں کے ملازمین نے جواب دہی کے عمل کے نہ ہونے کے سبب شاگردوں کی تعلیم سے رہی سہی توجہ بھی ہٹا لی' معیار تعلیم دن بدن گرتا گیا--- اب جو بھی شخص اپنے بچوں کو سچ مچ تعلیم دلوانا چاہتا ہے وہ اپنے گھر کے بہت سے اخراجات کم کر کے یا پس پشت ڈال کر' تنگی ترشی برداشت کر کے' محاورۃ" پیٹ کاٹ کر پرائیویٹ سکولوں کا رخ کرتا ہے اور جب بچہ گھر آکر ٹوئنکل ٹوئنکل لٹل سٹار اور بابا بلیک شیپ سناتا ہے تو خوش ہوتا ہے کہ اس کی محنت اور پیسہ کام

سیرت و کردار کی تعمیر جو تعلیم کی روح اور تربیت کا مقصد اولیٰ ہے' اس کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے' اس کا نتیجہ ڈگری یافتہ جہلاء کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہے۔

یہ معاشرہ جس کو خاص اقدار کا حامل ہونا تھا آج اقدار کے فقدان کا شکار ہے۔

ہمارے رہنما حضرات کہتے نہیں تھکتے کہ قرآن پاک ہمارا منشور ہے' ہمارا ضابطہ قانون ہے' ہمارا راہنما ہے مگر اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا کہ قرآن جو نظام زندگی دیتا ہے وہ خاص اقدار پر استوار ہوتا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ (65:4)-

(اللہ نے ہر شے کے لئے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں)

اللہ تعالیٰ کلام پاک میں انسانوں کو سمجھانے کی غرض سے بار بار قوانین فطرت کی طرف توجہ دلاتا ہے' بتاتا ہے کہ خارجی کائنات کا سارا نظام' ان عظیم کروں کی گردش' چاند سورج کا نکلنا اور غروب ہونا' دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن' یہ سلسلہ اس لئے اس باقاعدگی اور حسن و خوبی سے جاری ہے کہ وہ خدا کے قانون کی زنجیروں میں بندھا ہوا ہے' عظیم سے عظیم کرہ بھی اپنے مدار' دیئے ہوئے رستے سے سر مو انحراف نہیں کر سکتا--- انسانوں سے کہا گیا ہے کہ تم اس میں کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے' کائناتی نظام کا اس حسن و خوبی سے چلنا صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے قانون اور راہنمائی کے مطابق عمل پیرا ہے'--- یہی حال تمام دوسری مخلوقات کا ہے۔ انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جسے اختیار و ارادہ دیا گیا ہے' چاہے تو خدا کی دی ہوئی راہنمائی' وحی خداوندی' قرآن پاک پہ ایمان لائے' چاہے نہ لائے' اس کے مطابق عمل کرے' نہ کرے' اس پہ کوئی جبر نہیں' وحی خداوندی اس کی راہنمائی تو کرتی ہے اسے مجبور اور پابند نہیں کرتی' اگر وہ اس کی راہنمائی پر عمل کرے تو اس کی زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے' نہ کرے گا تو محرومیاں' ناآسودگیاں' خوف اور حزن اس کا مقدر ہوں گے یہاں اس دنیا میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی-----

کائناتی قانون کی طرح انسان کی راہنمائی کے لئے جو ضابطہ حیات دیا گیا ہے وہ بھی ایسے قوانین و اقدار کا حامل ہے کہ اس پہ عمل کیا جائے تو یقیناً وہی نتائج پیدا کرے گا جن کی یہ نشاندہی کرتا ہے کیونکہ اس کی ضمانت خود کائنات کے پیدا کرنے والے نے دی ہے----

اس نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ قانون کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔

وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً ○ (48:23)-

(اللہ اپنے قوانین کبھی تبدیل نہیں کرتا)۔

اس لئے کامل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان پر عمل کرنے کے نتائج بھی وہی ہوں گے۔۔ اور ہمیشہ ویسے ہی ہوں گے۔۔۔ قانون کہتے ہی اس بات کو ہیں کہ اگر ایسا کرو گے تو یہ نتیجہ نکلے گا اور ایسا کرنے کا ہمیشہ یہی نتیجہ ہو گا۔

ہمارا المیہ یہی ہے کہ یہاں قانون پہ یقین ختم ہو گیا اور۔۔۔ آدم بمیرد از بے یقینی' تنزل کی طرف گامزن معاشرے میں غلط اقدار نے سب کچھ گڈمڈ کر دیا ہے' قانون کی عملداری کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے۔۔۔ اور اب تو نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ طالب علم محنت کرتا ہے تو اسے یقین نہیں ہوتا کہ امتحان میں اس کا نتیجہ اس کی محنت کے مطابق ہو گا' اسے شک ہوتا ہے کہ کوئی اور نقل کے ذریعے' رشوت اور سفارش کے ذریعے اس کی محنتوں پہ پانی پھیر دے گا اور اس کی محنتوں کا ثمر اچک کر لے جائے گا۔

ملازمت کے امیدوار کو درخواست گزارنے کے بعد اکثر و بیشتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخواستیں تو خانہ پری کے لئے مانگی جاتی ہیں' کوالی فیکیشن' قابلیت چنے جانے کا معیار نہیں' جسے ملازم رکھا جانا ہے وہ تو سفارش کے بل پہ پہلے ہی چنا جا چکا ہے۔

عدالت میں پیش ہونے والے مظلوم کو معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہونے کا امکان نہیں کیونکہ اس کے پاس کوئی سفارش نہیں' وسائل نہیں' ظالم بااثر ہیں' مال دار ہیں' ارکان حکومت کے قریب تر ہیں۔۔۔ وہ اللہ کے حضور گڑگڑاتا ہے' اونچے ایوانوں تک پہنچنے کے وسائل تو نہیں ہوتے' بزرگان مذہب کے مزاروں کا رخ کرتا ہے' منتیں مانتا ہے' پیران طریقت کے درباروں میں حاضری دیتا ہے' یہاں بھی نذرانہ گذارتا ہے' دعاؤں کی درخواستیں کرتا ہے۔۔

ہمارے ہاں یہ جو پیری مریدی بڑھ رہی ہے' مزار پرستی کا رجحان ترقی پر ہے اس کی ایک وجہ (علاوہ تعلیم کی کمی کے) یہی ہے کہ یہاں قانون کی بالادستی کا تصور مٹ چکا ہے۔۔۔ اور ڈوبتا انسان تو تنکے کا سہارا بھی ڈھونڈتا ہے اور غنیمت جانتا ہے۔۔ خاص طور پر جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہر صاحب اقتدار ان پیران کرام کی قدم بوسی کرتا ہے' مزاروں پہ ہاتھ باندھ کر کھڑا نظر آتا ہے' چادریں چڑھاتا اور الٹے پاؤں لوٹتا ہے۔۔۔ اسے کیا معلوم کہ ان میں سے کتنے دلی عقیدت سے حاضری دیتے ہیں اور کتنے سیاسی دکھاوے کے لئے ادھر کا رخ کرتے ہیں' کتنے اپنے جذبوں کی تسکین کے لئے آتے

کتنے ووٗں کے جذبات سے کھیلنے کے لئے۔

—— اور پھر جب عام آدمی محنت شاقہ کے بعد محرومی اور نیم فاقہ کشی کے عذاب میں مبتلا' پیشانی سے پسینہ پونچھ کر آسمان کی طرف نظریں اٹھاتا ہے تو اسے بے شمار فلک بوس عمارتیں نظر آتی ہیں' وسیع و عریض باغات والے سنگ مرمر سے سجے محلات نظر آتے ہیں جن میں وہ لوگ رہ رہے ہوتے ہیں جو اس جیسے انسانوں کے استحصال کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتے' وہ فریاد کرتا ہے۔

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

---- اور افلاک سے اس کے نالوں کا کوئی جواب نہیں آتا' ایسے میں اس کا ایمان ڈول جائے' اس کے پاؤں ڈگمگا جائیں تو آپ اسے کس حد تک مورد الزام گردانیں گے'----

بات طویل ہوتی جا رہی ہے' قصہ مختصر کرتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ پیشتر اس کے کہ حالات فساد کی طرف لے جائیں اور چشم فلک یہ نظارہ دیکھے کہ

غلامِ گرسنہ دیدی کہ بر درید آخر
قبائے خواجہ کہ رنگیں زخونِ ما بوداست

لازم ہے پٹڑی سے اتری ہوئی اس گاڑی کو دوبارہ قانون کی پٹڑی پر چڑھا دیا جائے تاکہ یہ اس منزل کی طرف جو اس کے لئے متعین کر دی جائے ایک بامعنی اور توازن بدوش سفر جاری رکھ سکے----!

آپ کے گرانقدر عطیات کا شکریہ

عطیات

1- محترم محمد ہارون خان (کراچی)	-/500 روپے	2- محترم ملک خالد یعقوب (لاہور)	-/2000 روپے
3- محترم محمد حنیف صاحب (لاہور)	-/10,000 روپے	4- محترم محمد ریاض قریشی صاحب (کراچی)	-/4000 روپے
5- محترم ایم-ایچ رازی صاحب	-/20,000 روپے	6- محترم امتیاز الحق صاحب (لاہور)	-/4000 روپے
7- محترمہ ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ (لاہور)	-/25,000 روپے		

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی
ایگزیکٹو ہیڈ طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویز

حج کا مقصد

آپ نے یہ الفاظ ہر محراب و منبر اور ہر سٹیج اور پلیٹ فارم سے سنے ہوں گے' اور بار بار سنے ہوں گے کہ اسلام نوع انسان کی تمام مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ الفاظ تو آپ نے بارہا سنے ہوں گے' لیکن یہ کسی کی زبان سے نہیں سنا ہو گا کہ نوع انسان کی مشکلات کیا ہیں اور اسلام ان کا حل کیا پیش کرتا ہے؟ اصل یہ ہے کہ جو قوم خود اپنی مشکلات کا حل دریافت نہ کر سکتی ہو۔۔۔۔ اس کے لئے اسے غیروں کے دروازے پر دستک دینی پڑتی ہو۔۔۔ وہ نوع انسان کی مشکلات کا حل کیا پیش کر سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جب غیر اقوام ہمارا یہ دعویٰ سنتی ہیں تو استہزاء کی ہنسی ہنس کر کہتی ہیں کہ پہلے اپنی مشکلات کو تو حل کر لو' اس کے بعد نوع انسان کی مشکلات کے حل کا دعویٰ کرنا!

یہ درحقیقت "مذہب" کی ٹیکنیک ہے کہ وہ نہایت مقدس اور خوش آئند الفاظ کے ذریعے اپنے معتقدین کو خوش فہمی میں مبتلا رکھتا ہے اور ان کے ذہن کو کبھی اس طرف نہیں آنے دیتا کہ وہ ان الفاظ کا مفہوم معلوم کریں یا یہ سوچیں کہ ہم جو دعویٰ کرتے ہیں اس کا عملی ثبوت کیا ہے۔ مذہب کا سارا دارومدار بلا مفہوم الفاظ کے دہرائے چلے جانے اور بلا نتیجہ رسومات ادا کئے جانے پر ہوتا ہے۔ چونکہ اسلام بھی الدین نہیں رہا' مذہب بن چکا ہے' اس لئے ہم بھی نہ الفاظ کے مفہوم کی طرف آتے ہیں اور نہ ہی اپنے دعاوی کے عملی ثبوت کی طرف۔

اس وقت تمام اقوام عالم گوناگوں مشکلات کا شکار ہیں۔ میں ان میں سے ایک ایک پرابلم کا حل قرآن مجید کی روشنی میں پیش کئے چلا آرہا ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ میری یہ کوشش قرآنی الفاظ' اصطلاحات' اور تصورات و نظریات کا متعین مفہوم پیش کرنے تک محدود ہے۔ عملی نتائج سے اس کے دعاوی کا ثبوت بہم پہنچانا میرے بس کی بات نہیں' کیونکہ وہ ثبوت تو قرآنی نظام کے قیام ہی سے بہم پہنچ سکتا ہے' اور نظام کا قیام کسی فرد کے بس کی بات نہیں ہوتی' یہ امت کی اجتماعی کوششوں ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ بایں ہمہ' میں اپنی ان کوششوں کو جاری رکھے ہوئے ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ قوم کے ارباب بصیرت اس حقیقت کو سمجھ سکیں کہ اس وقت ہم میں جو کچھ اسلام کے نام سے ہو رہا ہے وہ مذہب ہے' دین نہیں اور دوسرے اس لئے کہ اس سے شاید آنے والی نسلیں استفادہ کر کے دین کا نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے اقوام عالم متعدد' گوناگوں مشکلات اور پریشانیوں کا شکار ہیں۔۔۔۔ میں اس وقت ان میں سے صرف ایک مسئلہ کو لوں گا جو درحقیقت مشکل ترین مسئلہ ہے اور نوع انسان کے موجودہ مصائب اور ممکنہ تباہی کا موجب ہے۔ اور وہ ہے نیشنلزم۔ میں اس موضوع پر اس سے پہلے بھی بہت کچھ

کھ چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ خود اقوام مغرب اس کے ہاتھوں کس قدر نالاں ہیں اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کس قدر مضطرب و بے قرار۔ لیکن انہیں کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں اس نشست میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ قرآن کریم نے اس کا نظری حل کیا بتایا اور عملی پروگرام کیا تجویز کیا۔

نیشنلزم

نوع انسان کی تمدنی یا معاشرتی زندگی کی ابتداء کب اور کہاں سے ہوئی' مغرب کے علماء علم الانسان نے اس باب میں خاصی تحقیق کی ہے لیکن وہ اس باب میں ابھی تک کسی متعین نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ قرآن کریم اس قسم کی تحقیقات کے متعلق بحث نہیں کرتا۔ وہ بات اس مقام سے شروع کرتا ہے جو اس کے پیش نظر منزل تک پہنچنے کا آغاز سفر ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ط..... ○ (10:19)

"نوع انسان شروع میں ایک امت' ایک جماعت' ایک گروہ تھی۔ اس کے بعد انہوں نے آپس میں اختلاف پیدا کر لیے"۔ ان اختلافات کا نتیجہ تھا کہ وہ پہلے مختلف خاندانوں میں اور اسکے بعد قبیلوں میں بٹ گئے اور اس تفریق کو نسلوں تک پھیلا دیا۔ باہمی تقسیم اور تفریق کی یہ خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ تاآنکہ اس نے مختلف قوموں کی شکل اختیار کر لی۔ رفتہ رفتہ اس نے ایک سیاسی تصور حیات یا مسلک زندگی کا پیرہن اوڑھ لیا۔ اس کا نام نیشنلزم ہے جو اس وقت پوری کی پوری نوع انسان کو محیط ہے۔ اس سے نہ کرہ ارض' کرہ ارض رہا ہے اور نہ ہی انسان' نوع انسانی کا فرد۔ کرہ الارض کو فرضی لکیریں کھینچ کر مختلف ممالک میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ان ممالک میں بسنے والے انسانوں کو مختلف قوموں کا نام دے دیا گیا۔ یہ قومیں بھیڑیوں کی طرح تاک میں بیٹھی رہتی ہیں کہ ان میں سے کسی کو کب اونگھ آئے اور یہ اس پر جھپٹ پڑیں۔ اس وقت پوری نوع انسان کی یہی کیفیت ہے' اس میں نہ اقوام مغرب کی تخصیص ہے اور نہ اقوام مشرق کی تمیز۔ اقبالؒ کے الفاظ میں :۔

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
مشرق کے ثوابت ہوں کہ مغرب کے ہوں سیار

قرآن کریم نے بتایا کہ نوع انسان اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی جس مصیبت کا شکار ہو گئی تھی اس سے نجات دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی راہنمائی کا آغاز کیا۔ سورہ بقرہ میں ہے :

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط..... ○ (2:213)

چونکہ نوع انسان کو پھر سے ایک وحدت میں تبدیل کرنا مقصود تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعثت انبیاء کا سلسلہ شروع کیا جو انہیں اختلافی زندگی کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرتے اور ایک برادری بن کر رہنے کی زندگی کے خوشگوار ثمرات کی خوشخبری سناتے۔ وہ اپنے ساتھ قوانین خداوندی کا ضابطہ لاتے تاکہ وہ اس کی رو سے ان کے اختلافی امور کا فیصلہ کریں۔

عالمگیر برادری

یہ تھا وحی کا مقصد اور وہ منزل جس تک کاروان انسانیت کو پہنچانا مقصود تھا۔ یعنی انہیں ایک عالم گیر برادری کے قالب میں ڈھالنا۔ اس کے لئے وحی نے کہا کہ جو لوگ اس مقصد سے متفق ہیں وہ' رنگ' نسل'

زبان، وطن اور قومیت کے اختلاف کے باوجود ایک امت کے افراد ہیں۔ جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ ان کے بالمقابل دوسری امت کے افراد۔ اسی کو ایمان اور کفر کے امتیاز سے تعبیر کیا گیا ہے، اور سیاسی اصطلاح میں اسے "دو قومی نظریہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگرچہ ہر نبی کا یہی پیغام تھا، لیکن اس کی عملی تشکیل حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں وجود پذیر ہوئی۔ انہوں نے ماں باپ، برادری، قوم اور وطن تک کو چھوڑ کر ایمان کی بنیادوں پر ایک نئی امت کی تشکل کی اور اس کا ایک اجتماعی نظام قائم کیا۔ نظام یا اجتماعیت کے لئے ایک محسوس مرکز کا وجود لاینفک ہوتا ہے۔ انہوں نے وحی خداوندی کی راہنمائی میں مکہ کے مقام پر ایک علامتی مرکز تعمیر کیا، جسے کعبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (3:96)

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا گھر جو قوم، وطن، رنگ، نسل کے امتیازات سے بلند ہو کر خالص انسانیت کے لئے وجود میں لایا گیا تھا، مکہ کی مبارک وادی میں (خانہ کعبہ) تھا۔ یہ کاروان انسانیت کی منزل مقصود کے لئے نشان راہ تھا۔

اسے، تمام انسانی نسبتوں سے بلند و بالا قرار دینے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے "اپنا گھر" (بیتی۔ 2:125)۔ کہہ کر پکارا۔ یہاں ایک اہم نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ ویسے تو کائنات کی ہر شے خدا ہی کی ہے۔ لیکن اس نے جس چیز کو خاص طور پر "اپنی" کہہ کر پکارا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی، نہ اس پر کسی کا قبضہ ہو سکتا ہے۔ (مثلاً) بیت اللہ (اللہ کا گھر) یا ارض اللہ (اللہ کی زمین)۔

لِلنّاس کا مقصد

مندرجہ بالا آیت میں کہا گیا ہے کہ کعبہ کو الناس (نوع انسان) کی اجتماعیت کا مرکز بنایا گیا۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ کعبہ اور حج کے سلسلے میں جس قدر آیات قرآن کریم میں آئی ہیں ان میں ہر جگہ "الناس" ہی کہا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، وحی خداوندی کا مقصود و مطلوب نوع انسان کی عالمگیر برادری کی تشکیل تھا۔ اس لئے جس مقام کو اس برادری کا مرکز قرار دیا گیا اسے "للناس" ہی کہا جانا چاہئے تھا۔ اور یہی قرآن نے کیا۔

اب یہ دیکھئے کہ نوع انسان کی اس مرکزیت سے مقصود کیا تھا۔ فرمایا

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ.... ○ (5:97)

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو واجب الاحترام مقام قرار دیا تاکہ اس مرکزیت سے نوع انسان اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو سکے۔

یہ ایک عظیم حقیقت ہے جسے دو لفظوں میں سمٹا کر رکھ دیا گیا ہے۔ انسانیت، قوموں میں تقسیم ہو تو وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر آج دنیا کی قومیں دو حصوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ ایک سپرنیشنز۔۔۔ یعنی بڑی مہیب قوتوں کی مالک قومیں اور دوسری، کمزور اور غیر نشوونما یافتہ (Undeveloped) قومیں۔ کمزور قوموں کا طاقتور قوموں کے سہارے کا محتاج ہونا تو ظاہر ہے۔ یہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو ہی نہیں سکتیں۔ لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ خود سپرپاورز اپنی قوت کے لئے ان کمزور قوموں کی

جاتی ہیں۔ جس قوم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کمزور قومیں ہوں' وہ اتنی ہی زیادہ طاقتور سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بڑی قوم کی یہ انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان کمزور قوموں کو زیادہ سے زیادہ امداد یا امداد کا لالچ دے کر اپنے ساتھ رکھ سکیں' لیکن ایسا کبھی نہ ہونے دیں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکیں۔

لیکن اگر قومیتوں کے مٹ جانے کے بعد نوع انسان امت واحدہ بن جائے تو اسے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے کسی خارجی سہارے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ یہ ہے کعبے کی مرکزیت کا اولین ثمرہ۔ یعنی قیاماً للناس۔ نوع انسان کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذریعہ۔

اب آگے بڑھیئے۔ اس وقت دنیا میں کہیں امن نہیں۔ چھوٹی قومیں ہوں یا بڑی' سب ایک دوسرے سے ڈری اور سہمی ہوئی رہتی ہیں۔ جب قوموں کی یہ حالت ہے تو افراد' خوف و ہراس کے جس جہنم میں زندگی گذارتے ہیں' اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس وسیع و عریض کرہ ارض پر کوئی چھوٹے سے چھوٹا مامن ایسا نہیں جہاں کوئی فرد یا قوم اپنے آپ کو محفوظ یا مامون سمجھ لے۔ کعبے کی مرکزیت کی دوسری خصوصیت کے متعلق قرآن نے کہا:

جائے امن

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًاؕ..... ○

(2:125)

اور ہم نے کعبہ کو نوع انسان کی اجتماعیت کا مرکز بنایا اور ایسا مقام جہاں کسی کو کسی قسم کا خوف و خطر نہ ہو۔

دوسری جگہ ہے: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًاؕ..... ○

(3:97)

"جو بھی اس نظام میں داخل ہو جائے گا جس کا یہ مرکز ہے' اسے امن کی ضمانت مل جائے گی"۔

بات واضح ہے' دنیا میں خوف و خطر تو مختلف قومیتوں کا پیدا کردہ ہے۔ جب ان کی جگہ ایک ایسی امت وجود میں آجائے گی جس میں یہ تفریق نہیں ہو گی تو وہ بھائیوں کی طرح امن و سلامتی سے رہے گی۔ اسے نہ کسی خارجی خطرہ کا اندیشہ ہو گا' نہ داخلی خلفشار کا ڈر۔ سوچئے کہ اس سے یہ کرہ ارض' جو اس وقت جہنم زار بن رہا ہے' کیسا امن و سلامتی کی جنت بن جائے گا!

موجودہ قومیتوں کی تقسیم کی ایک لعنت یہ بھی ہے کہ کسی ایک ملک کا باشندہ' دوسرے ملک میں قدم تک نہیں رکھ سکتا جب تک وہ اس سے اجازت نامہ (Visa) حاصل نہ کر لے۔ کعبہ کے متعلق کہا:

جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِؕ......

-(22:25)

یہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے' اس گھر کے دروازے سب کے لئے یکساں طور پر کھلے ہیں' کسی کو یہاں آنے کی ممانعت نہیں' کسی سے اجازت نامہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ تمام انسانوں کے خدا (رب الناس) کا گھر ہے' اس لئے اس کے دروازے ہر انسان کے لئے کھلے رہیں گے۔

یہی نہیں کہ جس کا جی چاہے یہاں آجائے۔ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کے بعد دعا یہ مانگی تھی کہ اس خطہ زمین میں کچھ پیدا نہیں ہوتا' جو لوگوں کے لئے وجہ کشش ہو سکے۔ بارالٰہا! تو ایسا کر دے کہ لوگوں کے دل اس طرف مائل ہو جائیں اور وہ فوج در فوج ادھر آنے لگ جائیں۔ (14:37)-

یہ تھیں اس گھر کی خصوصیات جسے تمام نوع انسان

کے لئے مرکز قرار دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ یہ خصوصیات مٹی اور پتھر کے کسی مقام یا گھر کی نہیں۔ یہ خصوصیات اس نظام کی ہیں جس کا مرکز یہ گھر قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح (مثلاً) ہم کہتے ہیں کہ ماسکو کی پالیسی یہ ہے اور واشنگٹن نے یہ طے کیا ہے' تو اس سے مراد ماسکو اور واشنگٹن کے شہر نہیں ہوتے۔ اس سے مراد وہ مملکتیں ہوتی ہیں جن کے یہ شہر مراکز ہیں۔

اسی طرح "کعبہ" سے مراد' وہ نظام خداوندی' وہ قرآنی مملکت ہے' جس کا یہ مرکزی مقام ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے مقدس ہاتھوں اس مرکز کی تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد آپ' صدیوں پر پھیلے ہوئے تاریخ کے اوراق کو الٹ کر' چھٹی صدی عیسوی میں آجایئے جہاں وہ نظام اپنی مکمل شکل میں قائم ہوا جس کا مرکز کعبہ تھا۔ اس نظام کے قیام کے لئے سب سے پہلے ایک امت تشکیل کی گئی جو رنگ نسل' خون' وطن کے امتیازات کو مٹا کر خالص ایمان کی بنیادوں پر وجود میں آئی تھی۔ اس امت کے وجود کا مقصد کیا تھا' اسے قرآن نے ان چند الفاظ میں نہایت جامعیت سے بیان کر دیا۔ جب کہا کہ **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ**.... ○ (3:110)- "تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع انساں کے لئے پیدا کیا گیا ہے"۔ غور کیجئے! جس طرح کعبہ کا مقصد نوع انسان کی فلاح و بہبود تھا اسی طرح اس امت کی بعثت کا مقصد بھی پوری کی پوری انسانیت (للناس) کی خیر طلبی تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس امت نے ایک نظام قائم کیا۔ اس نظام کی رو سے اس امت کا فریضہ یہ قرار دیا گیا کہ

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط.... ○ (2:143)-

اس طرح ہم نے تمہیں ایک ایسی امت بنایا جو تمام نوع انسانی سے یکساں فاصلے پر رہے۔ نہ کسی کی طرف یونہی جھکی ہوئی' نہ کسی سے یونہی کھنچی ہوئی۔ فریضہ تمہارا یہ ہے کہ تم نوع انسانی پر نگاہ رکھو کہ اس کا قدم غلط سمت کی طرف نہ اٹھنے پائے اور تم پر تمہارے نظام کی مرکزی اتھارٹی (رسولؐ) نگاہ رکھے کہ تم غلط راستہ اختیار نہ کر لو۔

یہاں پھر "**شهداء على الناس**" کہا گیا ہے۔ یعنی تمام نوع انسان پر نگران۔ ان خصوصیات کی حامل امت کو "ملت ابراہیمیؑ" (6:162)- کی پیروکار کہہ کر پکارا گیا' یعنی حضرت ابراہیمؑ کی روش پر چلنے والی امت۔

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق کہا گیا تھا: **إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا** ط. (2:124)- "نوع انسانی کی امامت Leadership تمہارے حصے میں آئے گی"۔ اور اسی بنا پر اس امت سے کہا: **وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِيمَ مُصَلًّى** ط.... (2:125)- "تم منصب و مقام ابراہیمؑ کے حصول کو اپنی تگ و تاز کی جولان گاہ بناؤ"۔ یعنی جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو نوع انسان کی امامت کا سزاوار قرار دیا گیا تھا اسی طرح تم بھی اس نظام کے قیام سے' جس کا مرکز کعبہ ہے' عالم گیر انسانیت کی لیڈر شپ حاصل کرو۔

حج

اس امت نے جو نظام قائم کیا تھا' اس کی بنیاد باہمی مشاورت پر تھی۔ (42:38)- اس مشاورت کی روزمرہ کی شکل تو صلوٰۃ کے اجتماعات تھے۔۔۔۔۔ آپ غور کیجئے کہ مشاورت کا حکم اور اقامت صلوٰۃ کا حکم ایک ہی سانس میں دیا گیا ہے۔ (42:38)- لیکن پوری مملکت کے مسائل کے لئے مشاورت کے اجتماعات اس سے کہیں زیادہ وسیع (بلکہ عالمگیر) پیمانے پر ہونے

ضروری تھے۔ امت کے اس عالمگیر اجتماع کو حج کہہ کر پکارا گیا۔۔۔ اس کے علاوہ نسبتاً چھوٹے پیمانے پر جو اجتماعات منعقد کئے جانے ضروری تھے انہیں عمرہ کہا گیا۔ اس اجتماع عظیم کا آغاز بھی حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا جب انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ... (22:27)- "تم اعلان کر دو' تمام انسانوں کو دعوت دو کہ وہ حج کے اجتماع میں شرکت کے لئے آئیں"۔ اس اسوہ ابراہیمیؑ کے اتباع میں اس امت پر بھی یہ فریضہ عائد ہو گیا کہ وہ ان اجتماعات کے انعقاد کا اہتمام کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ اجتماعات اصلاً تو امت کی باہمی مشاورت کے لئے ہوں گے' لیکن ان میں شرکت کے لئے تمام انسانوں (الناس) کو دعوت دی گئی ہے۔ یہ بحیثیت مبصر شریک ہوں گے۔ اس سے مقصد کیا ہے' اس کے متعلق ہم آگے چل کر وضاحت کریں گے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہو گا کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا تھا کہ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ..... (22:27)- "حج کے لئے تمام لوگوں کو دعوت دو"۔ اسی طرح امت مسلمہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے حج کے متعلق بھی کہا کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا..... (3:97)- "جو لوگ بھی (الناس) وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں' انہیں چاہئے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے جنہیں خدا نے مقرر کیا ہے (للّٰہ) حج کے اجتماع میں شرکت کریں"۔ آپ غور کیجئے کہ یہاں بھی الناس کہا ہے' اسے مومنین (مسلمانوں) تک محدود نہیں رکھا گیا۔

عربوں کے ہاں حج کا اجتماع زمانہ قبل از اسلام میں بھی ہوتا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے ہیں تو ان سے کہا گیا کہ حج کے اجتماع کا اہتمام کریں اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دیں۔ لیکن جس طرح' جب دین مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو اس کے بلند و بالا پروگرام کے عملی اجزاء' بے معنی رسومات بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح عربوں میں حج کے اجتماع نے بھی (کم و بیش) ایک میلہ کی شکل اختیار کر رکھی تھی' اور حج ابراہیمیؑ کے مناسک اور شعائر' مشرکانہ اور فاسقانہ (بلکہ جاہلانہ) رسوم بن کر رہ گئے تھے۔ بایں ہمہ اسے اہمیت بڑی حاصل تھی۔ اس اعتبار سے' تمام عربوں کی عمرانی زندگی کا مرکز تھا' اور قریش کو اس کی تولیت کی وجہ سے خاص امتیازی پوزیشن حاصل تھی۔ مادہ کے اعتبار سے اس لفظ (حج) کے معنی قصد و ارادہ کے بھی ہیں اور روک دینے کے بھی۔ زمانہ قبل از اسلام میں حج کے اجتماع میں' علاوہ دیگر امور' قبائل کے باہمی جھگڑے نمٹائے جاتے تھے اور زیادتی کرنے والوں کو ان کی دراز دستیوں سے روکا جاتا تھا۔ لیکن یہ روکنا تلوار کے ذریعے نہیں ہوتا تھا' دلائل و براہین کی رو سے ہوتا تھا۔ یہیں سے لفظ حجت ہے جس کے معنی "دلیل" کے ہیں۔ اس حجت سے قرآنی دلائل کو الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ... ○ (6:149)- کہا گیا ہے۔ اس لفظ کے ان بنیادی معانی اور تصورات سے اس اجتماع کا مقصد سامنے آجاتا ہے۔ یعنی دلائل و براہین پر مبنی مشاورت سے مملکت کے معاملات کا حل تلاش کرنا' اور غلط کاروں کو ان کے اقدامات سے روکنے کی تدابیر سوچنا۔

حج اسلام

قرآن کریم نے عربوں کے اس اجتماع کو نہ صرف باقی رکھا' بلکہ اسے دین کے نظام میں ایک بنیادی ستون قرار دیا۔ فتح مکہ سے پہلے (7 ھ تک) کعبہ (کفار) قریش کی تحویل میں تھا اس لئے وہاں' قرآنی انداز کے اجتماع (حج) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد' 8ھ

کا حج تو کم و بیش سابقہ روش پر ادا ہوا۔ لیکن 9 ھ میں اسے قرآنی شکل دے دی گئی۔ اس میں حضور خود تو تشریف نہیں لے گئے' لیکن حضرت ابوبکرؓ صدیق کو نمائندہ مملکت قرآنیہ کی حیثیت سے' قافلہ حجاج کا سربراہ بنا کر بھیجا۔ اس اجتماع میں کم و بیش تمام سابقہ رسوم و مناسک کو برقرار رکھا' لیکن انہیں مشرکانہ اور جاہلانہ آمیزشوں سے پاک اور صاف کر کے اس سے پہلے حج کی سب سے بڑی خصوصیت وہ اعلان عظیم تھا جو مدینہ کی اسلامی مملکت کی طرف سے' غیر مسلموں (بالخصوص قریش) کے ساتھ تعلقات کا منشور تھا اور جو سورہ توبہ میں مذکور ہے۔ 10 ھ میں یہ اجتماع خود ذات رسالتمآبؐ کے زیر لوا منعقد ہوا اور اس میں حضورؐ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو عالمگیر انسانیت کے لئے صحیفہ آزادی قرار پاتا ہے۔ اس کا نقطہ ماسکہ یہ تھا کہ انسانوں کے خود ساختہ' رنگ' نسل' خون' زبان' وطن' قومیت' ذات پات' برادری' قبائل' ہر قسم کے امتیازات کو مٹا کر' خالص ایمان کی بنیادوں پر' انسانوں کی عالمگیر برادری کی تشکیل۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی یہ اجتماع' انہی مقاصد عالیہ کے حصول کا ذریعہ تھا جنہیں قرآن نے متعین فرمایا تھا۔ اس میں وسیع و عریض مملکت اسلامیہ کے نمائندگان شریک ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ' ان لوگوں کو بھی خصوصی دعوت دی جاتی تھی جنہیں ارکان و عمال حکومت کے خلاف کسی قسم کی شکایت ہوتی۔ چونکہ یہ اجتماع مملکت کے دور دراز علاقوں سے آنے والوں پر مشتمل ہوتا تھا' اس لئے میدان عرفات میں ان کا باہمی تعارف ہوتا تھا۔ اسی جہت سے اسے عرفات کہتے تھے۔ (یعنی باہمی تعارف کی تقریب) سربراہ مملکت یا اس کا نمائندہ' اپنے خطاب میں اس پروگرام کا اعلان کرتا جو آئندہ سال کے لئے تجویز ہوتا تھا۔ اس کے بعد' یہ نمائندگان مملکت' منیٰ کے میدان میں جمع ہوتے۔ وہاں اور تین دن تک قیام کر کے اس پروگرام کی تفصیلات پر غور و خوض کرتے۔ امور مملکت کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا جاتا۔ مستغیثین کی شکایات کا ازالہ کیا جاتا اور یہ سب کچھ دلائل و حجت کی رو سے کیا جاتا' دھاندلی اور سینہ زوری سے نہیں۔ ان فیصلوں اور تجویزوں کو ساتھ لے کر' یہ نمائندگان' اپنے اپنے مقامات کی طرف واپس جاتے۔

قربانی؟

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ مکہ' اس وادی میں واقع ہے جہاں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ (14:37)- اس علاقہ میں اگر لاکھوں انسانوں کا اجتماع ہو تو سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہو گا کہ ان کے کھانے پینے کا کیا انتظام ہو گا؟ قرآن کریم اس قسم کے اہم سوال کو نظر انداز نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ اس اجتماع میں شرکت کرنے والے اپنی "خوراک" اپنے ساتھ آپ لائیں۔۔ اور ظاہر ہے کہ گوشت سے بہتر خوراک کونسی ہو سکتی تھی؟ اس نے کہا کہ یہ آنے والے کچھ فالتو اونٹ اپنے ساتھ لائیں۔ آتے وقت ان پر بے شک سامان تجارت وغیرہ لاد لیں' اور یہاں پہنچ کر انہیں ذبح کریں۔ ان کا گوشت خود بھی کھائیں' اور مکہ کے ان غرباء کو بھی کھلائیں جنہیں عام حالات میں گوشت نصیب نہیں ہوتا۔ سورہ حج کی آیات (22:28,22:33,22:36) میں یہ تمام تفصیل درج ہے۔

اس کے بعد حج کے اس بنیادی مقصد کی طرف آیئے جس کی تشریح کو ہم نے قصداً" اس مقام کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ پہلے تمہیداً" یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دین کے مقاصد محض نظری تصورات یا ذہنی عقائد نہیں ہوتے' وہ محسوس شکل میں سامنے آتے ہیں اور دین کے دعاوی کا

ایسا عملی ثبوت بنتے ہیں جس سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ حج کے سلسلے میں بھی قرآن کریم نے اس کا اسی قسم کا مقصد بتایا۔ سورہ حج میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا:

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۙ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ.... ○ (22:27-28)۔

تم لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ حج کے لئے یہاں آیا کریں--- دنیا کے دور دراز گوشوں سے' لمبی لمبی مسافتیں طے کرتے' پا پیادہ یا ایسی سواریوں پر جو سفر کی مشقت سے تھک کر چور ہو جائیں۔

وہ یہاں اس لئے آئیں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ یہ نظام ان کی (یعنی نوع انسانی کی) منفعت کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے۔

نوع انسان کی منفعت

اس میں "**لیشهدوا منافع لهم...**" کے الفاظ بڑے گہرے غور و تدبر کے متقاضی ہیں۔ کہا یہ گیا ہے کہ لوگ آئیں اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ یہ نظام ان کی منفعت کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ مشاہدہ اس چیز کا ہو سکتا ہے جو محسوس طور پر سامنے آجائے۔ یہ دعوت "الناس" کو دی جاتی تھی جس میں امت مسلمہ بھی شامل ہے اور غیر مسلم بھی۔ اس امت کے افراد یہ دیکھ لیں کہ یہ نظام ان کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے اور غیر مسلم بھی اس کا مشاہدہ کر لیں کہ یہ نظام عالمگیر انسانیت کے لئے کس قدر منفعت بخش ہے۔ یہ نفع سامانیاں بھی ان کے سامنے محسوس شکل میں آئیں گی۔

واضح رہے کہ قرآن کریم نے حسن عمل' کارخیر' "ثواب" کے کاموں کے پرکھنے کا ایک ہی معیار بتایا ہے اور وہ یہ کہ **وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ**.... (13:17)۔ "دنیا میں بقا اسی عمل کے لئے ہے جو تمام نوع انسان (الناس) کے لئے نفع بخش ہو"۔ دین اور اس کے لئے ارکان و شعائر کی علت غائی یہ ہے کہ ان سے ایسے نتائج مرتب ہوں جو تمام نوع انسان کے لئے منفعت کا موجب ہوں۔ حج کے اجتماع میں ان منفعت بخش نتائج کو سامنے لایا جاتا تھا اور اسی کے لئے تمام انسانوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔

لیشهدوا منافع لهم...

قرآنی نظام مملکت میں غیر مسلموں کو شریک حکومت تو نہیں کیا جا سکتا' لیکن بعض فنی اور ٹیکنیکی معاملات میں ان سے مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ ایسا کیا کرتے تھے' اور اس زمانے میں غیر مسلم مکے میں آیا جایا کرتے تھے۔ (کتاب الخراج' امام یوسفؒ۔ بحوالہ شبلی نعمانیؒ) غیر مسلموں کو حج کے اجتماع میں مبصر کی حیثیت سے شریک ہونے کی دعوت دی جائے گی تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ یہ نظام ان کی بہبود کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے۔ لیکن اس کے لئے ایک شرط ضروری ہے' اور وہ یہ کہ اس میں کوئی شخص کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا جو ان مقاصد کے خلاف جائے جنہیں خدا نے مقرر کیا ہے۔ ایسا کرنے کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (22:25)۔ اسی بنا پر مشرکین مکہ کو اس میں شرکت سے روک دیا گیا تھا۔ (9:3, 9:28)۔

بہرحال مقصد اس اجتماع سے یہ تھا کہ نوع انساں کو بتایا اور دکھایا جائے کہ قرآنی نظام ان کی منفعت اور بہبود کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے۔

سید نذیر نیازی مرحوم

(قاضی عبدالرسول)

دنیائے رنگ و بو میں نفس سوختہ جان' خورشید جہاں تاب کے لئے سامان سفر تازہ کرنے کا عزم و حوصلہ رکھنے والا پیکر عظیم سید نذیر نیازی کی منزل اولین کا حرف شیریں ہی علامہ اقبالؒ ٹھہرے۔ سید صاحب کا شمار اقبال شناسی کے صف اول کے ذہین و فطین ارباب علم و دانش میں ہوتا ہے۔ سید صاحب کو علامہ اقبالؒ کے استاد محترم شمس العلماء "میر حسن" کا بھتیجا ہونے کا عزو شرف حاصل ہے۔ علامہ اقبالؒ کے ساتھ ان کے اس روحانی و قلبی اور ذہنی و فکری تعلق پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ انہوں نے علامہ اقبالؒ کی قربت اور رفاقت میں رہ کر اپنی عقل و فکر کے مطابق اپنی راہ متعین کی۔ یہ اقبال شناسی اور اقبال دوستی کی انتہا کا ایک تقاضا تھا جس کا بے پایاں اظہار انہوں نے "اقبال کے حضور" نامی کتاب کی صورت میں پورا کر دیا۔ اقبالیات کے سلسلے میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی مستند اور معتبر کاوش ہے۔ سید صاحب کا نام ایک اقبال شناس کی حیثیت سے زندہ وجاوید رہیگا۔ اقبالیات کے حوالے سے ان کا نام تاریخ کے ابواب میں اتنی اہمیت وشہرت حاصل کر گیا ہے کہ اب یہ نام ہمیشہ کے لئے امر ہو چکا ہے۔ عصر حاضر میں آج ہم اقبال شناسی اور اقبال فہمی کے جس مقام پر پہنچے ہیں اس کے مفاہیم ومطالب کے عام کرنے میں بہت حد تک سید نذیر نیازی جمیلہ کا بھی عمل دخل ہے۔ سید نذیر نیازی 1900ء کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ شہر اقبال (سیالکوٹ) کے ابتدائی تعلیم وتربیت میں پائی۔ ازاں بعد مزید تعلیم کیلئے ہندوستان کی معروف علمی درسگاہ جامعہ ملیہ دہلی کا رخ کیا۔ جامعہ سے فارغ التحصیل ہونے پر وہیں 1922ء میں منطق اور تاریخ اسلام کے لیکچرار تعینات ہوئے۔ اپنے اس منصب کو اس خوش اسلوبی اور قرینے سے نبھایا کہ سید صاحب کو شعبہ تاریخ اسلام کا سربراہ بنا دیا۔ سید صاحب کا یہ تعلق اور وابستگی 1935ء تک قائم رہی۔

سید نذیر نیازی صاحب کا ایک خط

خریداران طلوع اسلام کے نام

حضرات! السلام علیکم۔ میں دلی مسرت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ طلوع اسلام کی ترتیب واشاعت اور نظم ونسق کے فرائض اب مستقلاً "ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہیں جو اس کے اغراض ومقاصد یعنی ہندوستان کی سیاسی اور اجتماعی کشاکش میں "اسلامی رائے" کی ترجمانی کو بفضلہ تعالیٰ راقم الحروف سے کہیں بہتر اور احسن طریق پر سرانجام دے گی۔ میں خوش ہوں کہ جو کام تنہا ایک فرد سے نہ ہو سکا وہ بالآخر احباب کی متفقہ کوششوں سے پورا ہو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے قدردان طلوع اسلام بھی موجودہ ذمہ داریوں میں ہر طرح سے ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اس امر کی معذرت کرنا ہے پچھلے دو ڈھائی سال میں طلوع اسلام کی انتظامی دشواریاں اور مالی خسارہ اس کی باقاعدہ اشاعت میں بار بار التواء وانقطاع کا موجب ہوتا رہا۔ بہر کیف یہ ایک دور تھا جو گذر گیا۔ طلوع اسلام کے جدید انتظامات اب ایک مضبوط بنا پر قائم ہیں اور مجھے امید ہے کہ خریداران طلوع اسلام کی عملی ہمدردی اسے مضبوط تر کر دے گی۔ انشاء اللہ

مارچ 1938ء

سید نذیر نیازی

انہوں نے علامہ اقبالؒ کی دلی خواہش اور فرمائش پر "طلوع اسلام" کا اجراء کیا۔ جس میں گاندھی کے مکارانہ رویئے، منافقانہ طرز عمل اور کانگرس کے پر فریب نعروں کی منطق واستدلال کے ساتھ خوب خبر لی گئی۔

علامہ اقبالؒ کے ایماء پر لاہور میں سکونت اختیار کر لی اور دم واپسیں تک ان کی خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ علامہ اقبالؒ کے ساتھ جو ان کی گفتگو ہوتی وہ اس کے نوٹس مرتب کر لیتے۔ یہ نوٹس "اقبال کے حضور" کے عنوان سے چار جلدوں میں مدون کر کے شائع کئے جا چکے ہیں۔ علامہ نے انہیں جامعہ ملیہ سے خصوصی طور پر بلا کر اپنے انگریزی لیکچروں کو اردو کے قالب میں منتقل کروایا۔ علامہ اقبال نے وقتاً" فوقتاً" سید صاحب کو جو خطوط بھیجے۔ ان کی مکمل تفصیلات "مکتوبات اقبال" کے نام سے منظر عام پر موجود ہے۔ سید صاحب کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے حکیم اجمل خان کی مرتب کردہ طبی لغت کا اردو ترجمہ کر کے طبی دنیا کے لئے حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے۔ علاوہ ازیں دو برطانوی سائنس دانوں کی کتب کے تراجم بھی عام فہم سلیس اردو میں کئے۔ تاکہ عام لوگ بھی ان کتب سے استفادہ کر سکیں۔

سید صاحب کچھ عرصہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے شعبے سے بھی منسلک رہے۔ اس دوران انہوں نے قانون، تاریخ اور فلسفے پر مشتمل بیش قیمت اور معلومات افزاء مقالات تحریر کر کے اس میں شامل کئے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے ملک کے چوٹی کے اخبارات و رسائل اور علمی و ادبی جرائد میں ریاست کے اسلامی نظریہ اور تصور پر لاتعداد مضامین سپرد قلم کئے۔ خصوصاً" دہلی کے روزنامہ "منشور" کے شمارے اور اخبار اس بات کا بین اور واضح ثبوت ہیں کہ سید صاحب نے 1945ء کے پر آشوب اور دگرگوں دور میں جب تحریک پاکستان زوروں پر تھی۔ دو قومی نظریہ کی تائید و حمایت میں متعدد مقالات و مضامین لکھے۔ 1946ء میں انہیں پنجاب مسلم لیگ کے شعبہ نشرواشاعت کا انچارج بنا دیا گیا۔ وہ اس منصب پر قیام پاکستان تک فائز رہے۔ ظہور پاکستان پر حکومت کے انتظامی تربیت کے سب سے اہم ترین اداروں سول سروس اکیڈمی اور فنانس اکیڈمی میں اسلامیات کی تعلیم دیتے رہے۔ کچھ عرصہ تک لاہور کی انجینئرنگ یونیورسٹی کے طلبہ کو تاریخ پاکستان کے اسباق پڑھائے۔ انہوں نے علامہ اقبالؒ کی زندگی کے بارے میں سال اقبال کے حوالے سے "دانائے راز" کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی۔ جس کی پہلی جلد طباعت کے مراحل طے کر کے عوام کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھی۔ تاہم دوسری جلد کی تیاری میں منہمک تھے (یعنی کتاب نامکمل اور ادھوری تھی) کہ کاتب تقدیر نے فرشتہ اجل کو بھیج کر انہیں خلد بریں کی بہاروں سے لطف اندوز ہونے کے لئے اپنے پاس بلا لیا۔ سید نذیر نیازی صرف ایک بلند پایہ ادیب و مورخ اور معلم و مترجم ہی نہ تھے، بلکہ ایک نفیس اور عمدہ شعر کہنے والے خوش کلام شاعر تھے۔ ان کے اس پہلو کا علم ان کے خاص الخاص احباب کے سوا کسی اور کو نہ تھا۔ افسوس کہ ان کا مجموعہ کلام ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔ ان کے کلام سے چند اشعار قارئین کی دلچسپی اور ذوق کی نذر ہیں..... ؎

جب تک ترا حضور رہا روشنی رہی — آنکھوں میں میرے چاند رہا چاندنی رہی
مجھ میں نہ کوئی بات نہ دعویٰ کوئی مرا — تیرا کرم بنی رہی جب تک بنی رہی
کھینچا اگرچہ دولت دنیا نے بار بار — لیکن خدا کا شکر طبیعت غنی رہی

(بشکریہ نوائے وقت)

اطلاع

علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کی کتب بزم لاہور کے مالی تعاون سے

تفسیر منسوخ القرآن — 270/= روپے
تفسیر برھان القرآن — 535/= روپے

میں خریدیں۔

بزم طلوع اسلام، 25بی گلبرگ 2، لاہور

فون: 571 4546, 575 3666

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر محمد منور

اگر پاکستان نہ بنتا

اپنے محترم بھائی محمد صلاح الدین (سابق مدیر ہفت روزہ تکبیر' کراچی جو کہ اب مرحوم ہو چکے ہیں۔ مدیر) کی طرف سے اور عزیز محترم رفیق افغان کے توسط سے ایک موضوع موصول ہوا' موضوع استفہامیہ ہے اگر پاکستان نہ بنتا تو کیا ہم دینی' اخلاقی' سیاسی اور معاشی طور پر آج سے بہتر ہوتے۔۔ اب محمد صلاح الدین صاحب سے یہ کہنے کی جسارت کون کرے کہ یا حضرت! ہم دل جلوں کو یہ سوال سن کر شدید دکھ ہوتا ہے۔ یہ سوال برعظیم پاک و ہند اور خصوصاً" پاکستان کے عام مسلمانوں کے ذہن میں پیدا نہیں ہوتا وہ بیچارے تو سیدھے سادے مسلمان ہیں اور پاکستان کو اسلام کا گھر بلکہ ملجا و ماویٰ جانتے ہیں۔ ان سادہ دل لوگوں کے نزدیک پاکستان اللہ تعالیٰ کا بیش بہا عطیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ وہ رحیم و رحمٰن ذات ہے جس نے ماہ رمضان میں قرآن الفرقان نازل فرمایا' اسی خدائے رحیم و رحمٰن نے ماہ رمضان مبارک میں پاکستان عظیم الشان کی نعمت سے نوازا' کیا میں اللہ کی اس بے پایاں نعمت کا تشکک کی نظر سے جائزہ لوں!

اگر پاکستان نہ بنتا؟ صلاح الدین صاحب! یہ الفاظ ہمارا کلیجہ جلا دیتے ہیں۔ یہ سوال کوئی بھی صاحب ایمان باآسانی سن نہیں سکتا اور وہ بھی اس عالم میں کہ پاکستان وجود میں آچکا' دنیا کے چھوٹے بڑے ممالک کے مقابل خم ٹھونک کر کھڑا ہو چکا۔ نصف صدی ہونے کو ہے' پھر ایسا سوال کیوں؟ کیا پاکستان کے وجود مسعود کو مشکوک کرنے کے لئے؟۔۔۔۔ جب تحریک پاکستان جاری تھی تو خدا پر ایمان رکھنے والا عام فرد مسلمان جس کے پاس سارا علم کلمہ طیبہ تک محدود تھا وہ پورے یقین کے ساتھ اس تحریک کو دینی تحریک سمجھتا تھا اور نعرہ زن تھا کہ "لے کے رہیں گے پاکستان" اور "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ"۔۔ ہاں ان سادہ دل مگر قوی الایمان عام مسلمانوں کے مقابل نغت ہائے حجازی کے ہزاروں قارون اپنے علم کلام اور اپنی منطق کے پیچ و خم میں الجھے ہوئے تماشائے لب بام کے اسیر اور رہین تھے' ان کے دماغ روشن تھے' انہیں قرآن حفظ تھے' ان میں سینکڑوں حفاظ بخاری و مسلم بھی تھے مگر ان کے قلب مقفل تھے ورنہ حقیقت کو کیوں نہ پا جاتے؟ ان علمائے عظام میں مٹھی بھر وہ بھی تھے جن کا دین ان کے قلوب میں جاگزیں تھا' جن کے دلوں کے پٹ کھلے تھے یہ تھے وہ خوش قسمت علماء امت جو برعظیم پاک و ہند کے عظیم ترین جہاد میں کود گئے اور سپاہیانہ لڑے مگر علماء کی اکثریت محروم رہی۔ یہ سوال کہ پاکستان کا بننا بہتر ہے یا مضر' یہ انہی علماء کرام کا سوال تھا جن کا دین ان کے دماغ کی متاع تھا جن کا دین ان کے قلب کا سرمایہ نہ تھا۔ قلب تو مقفل تھے' قرآن کا ارشاد گرامی ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ دوسرا گروہ روشن خیال متعقلین کا وہ طبقہ تھا جو خود کو اعلیٰ رتبہ ادب و شعر پر

فائز سمجھتا تھا' تیسرا گروہ کمیونسٹ حضرات کا تھا اور ان کا ایک معتدبہ حصہ ادباء و شعراء میں شامل تھا مگر علماء کے سوا ان دونوں گروہوں کی مسلمانوں کے یہاں کوئی عوامی حیثیت نہ تھی۔

صلاح الدین صاحب ! آپ دیندار بلکہ دین کی راہ کے مجاہد ہیں۔ ماضی کے اور حال کے ذاتی روابط اور عقیدت کے بندھن سے آزاد ہو کر سوچیں کہ آخر یہ کیا ہوا کہ ہمارے علماء مکرمین امت سے کٹ کر اور ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور کھڑے کھڑے شور مچاتے رہے کہ مسلمانوں کا فائدہ متحدہ برعظیم میں ہندو غلبے کے تحت ہے نہ کہ ایک آزاد مسلم مملکت میں جس کے باعث برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی دو تہائی آبادی ہندو کی محکومیت کے عذاب الیم سے بچ سکتی تھی اور اگر کچھ بھی نہ ہوا' کیا اللہ کا یہ احسان کم ہے کہ کروڑوں کی مسلم آبادی کو ان کا آزاد وطن میسر آگیا؟ وہ علماء اس زمانے میں یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان میں مسلمانوں کی حکومت کے زیرسایہ اسلام کا نفاذ زیادہ مشکل ہو گا اس کے برعکس متحدہ ہندوستان میں اسلام کا نفاذ آسان تر ہو گا یعنی حکومت الٰہیہ اور نظام مصطفیٰؐ کا قیام حضرت امیر المومنین والمومنات' امیر الاحیا والاموات گاندھی خوش صفات کے زیر اقتدار اور ان کے بت پرست دیگر ورثاء کے زیر حکومت بہتر طریق پر عمل میں آسکتا ہے۔ گاندھی جی کے ذریعے نظام اسلام کا نفاذ سہل تر جاننے والے کون لوگ تھے؟ وہ علماء اکابر تھے جن کے نزدیک ہندو لیڈروں کی ہر بات حق تھی' مسلمان قائدین کی ہر بات باطل۔۔ اگر ذرا غور کر لیں تو ایمان کی خاطر جنگ اور جہاد کرنے والے عام مسلمان تھے جن کا علم دین محدود تھا' ان کے مقابل سیکولر روش کے طالب' لغت ہائے حجازی کے قارون تھے' شیوخ القرآن' شیوخ الحدیث' خطبائے اسلام' ائمہ دین متین' حد ہو گئی علماء سیکولر' غیر علماء مسلمان بنیاد پرست' اسلام کے غلبے پر بھرپور ایمان کے مالک!

آج اسلامی بنیاد پرستی کے معنی تو یہی ہیں نا کہ مسلمان کو اسلام کی حقانیت پر یقین ہو۔ اس کا مطلب اسلام کا فراواں علم حتماً نہیں۔ اگر کوئی عالم بھی صاحب تصدیق ہو تو الحمد للہ' مگر عموماً جو دیکھا جا رہا ہے وہ متوسط طبقہ ہی مراد ہے۔ اہل دین اور اہل ایمان کا متوسط طبقہ' وہ امت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اس لئے کہ وہ غیرت والے ہیں۔ اس متوسط طبقے کو قوم کی اکثریت کثیرہ کا بھرپور تعاون حاصل ہے' خدا کے فضل سے پاکستانی عوام کا ایمان نہیں ڈولتا' وہ پاکستان کو اللہ کی عظیم نعمت جانتے ہیں اور پاکستان کے پروانے ہیں۔ مجھے اچانک ایک کتاب یاد آتی ہے جس کا انگریزی میں نام تھا Indian Destiny (تقدیر ہند) مصنف کا نام تھا سرل مودک' مصنف عقیدے کی رو سے ہندو تھا اس نے اپنی کتاب میں متحدہ قومیت کے مخالفوں کی خوب کھال کھینچی ہے اور اس نظریئے کے حامیوں کو خوب خوب اچھالا ہے۔ ماضی کے بہت سے اکابر میں شہزادہ دارا شکوہ کی بے حد تعریف کی ہے۔ وہی دارا شکوہ جس کے بارے میں حضرت علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

تخم الحادے کہ اکبر پرورید
بار دیگر در دل دارا دمید

(الحاد کا بیج جو اکبر نے بویا تھا وہ دوبارہ شہزادہ دارا شکوہ کے دل میں پھوٹ پڑا) اور آپ کو سن کر حیرت ہو گی کہ مسٹر سرل مودک نے اس کتاب میں یہ بھی تحریر کر دیا کہ دارا کے مقابل ایک تنگ دل اور متعصب شخص اورنگ زیب تھا اور ہمارے دور میں دارا کا جانشین ابوالکلام ہے اور اورنگزیب کا جانشین مسٹر جناح یعنی اس کتاب میں سیکولر ذہن کا جانشین جس شخص کو بتایا گیا تھا وہ تھا امام الہند' خطیب الہند۔ اور متعصب

تنگ دل مسلمان بتایا گیا مسٹر جناح کو' اورنگزیب اور قائداعظم کے تعصب اور تشدد کو جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس کا تت اور ست آج کے روشن کار اور مہذب محاورے میں بنیاد پرست قرار پاتا ہے۔ آپ سوچ لیں کہ یہ بیان ایک ہندو اسکالر کا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھیں کہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے قائداعظمؒ کے جنازے کے موقع پر جو کلمات ارشاد فرمائے ان میں یہ الفاظ بھی تھے کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ حضرت اورنگزیب عالمگیر کے بعد برعظیم کے سب سے بڑے مسلمان تھے۔ ایمان و ایقان کا تعلق دل سے ہے۔ کلمہ طیبہ کے عربی حروف وہ مشرکین مکہ نہ سمجھ سکے جو ابو جہلی گروپ سے تعلق رکھتے تھے کیا ان کو عربی نہیں آتی تھی؟ ان کو عربی آتی تھی اس کے باوجود کلمہ طیبہ کے الفاظ ان کے لئے غیر زبان کے اجنبی الفاظ تھے' بقول اقبال ؎

تو عرب ہو یا عجم ہو' ترا لا الہ الا!
لغت غریب' جب تک ترا دل نہ دے گواہی

ایمان کا مسئلہ قلب سے تعلق رکھتا ہے اور کفر کا بھی قلب سے' باقی رہا تعقل تو وہ میان غیاب و حضور سراب یا اعراف' وہ تیسری دنیا ہے۔ کبھی امریکہ اور روس کے مابین ایک تیسری دنیا تھی۔ وہ افراد جو لغت ہائے تجازی کے قارون تھے وہ ایمان کو منطق کی میزان پر تولتے رہے' حضرت علامہ نے فرمایا ہے ؎

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی

یہ منطق باز اور تعقل طراز طبقہ اس وقت بھی لب بام تھا آج بھی لب بام ہے' لہٰذا یہ حضرات اس وقت بھی پورے برعظیم میں مسلمانوں کی محکومی کو مسلمانوں کے حق میں اللہ کی نعمت جانتے تھے اور مسلمانوں کی اکثریت کی ممکنہ آزادی کو' ان کے آزاد وطن کو' ان کے اپنے آزاد جھنڈے کو' ان کے اپنے ٹینکوں' اپنی توپوں اور اپنے سکوں کو اور ان کے اپنے اقتدار و اختیار کو پرخطر جانتے تھے' حیف جب وقت جہاد آیا تو وہ جن کو ائمہ مجاہدین بننا تھا ان کے لئے گویا آیات جہاد منسوخ ہو گئی تھیں۔ حضرت علامہ نے بجا ہی تو کہا تھا ؎

یہ مصرعہ لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر!!
کہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا

دسمبر 1946ء میں انگلستان سے لوٹتے وقت حضرت قائداعظمؒ مصر میں چند روز کے لئے رک گئے تھے' لیاقت علی خان بھی ہمراہ تھے' مصر میں وہ موتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کرنے اور مصر کے اہل سیاست و اہل صحافت کو تحریک پاکستان کے مطالب' مقاصد اور مفادات سے آگاہ کرنے کے لئے گئے تھے۔ جناب زیڈ اے شیخ اور محمد رؤف کی انگریزی تصنیف "قائداعظم اور اسلامی دنیا" میں کچھ کلمات درج ہیں جو قائداعظم نے مصر کے اکابر کی خدمت میں ارشاد فرمائے تھے۔ قائداعظم نے وزیراعظم مصر نقراشی پاشا اور سابق وزیراعظم اور وفد پارٹی کے قائد نحاس پاشا کی ضیافتوں میں بھی شرکت کی اور اہل صحافت کی دعوتوں میں بھی۔ اے کاش قائداعظم کے وہ سارے بیانات کوئی اکٹھے کر سکتا جو عربی اور انگریزی اخبارات میں ان دنوں شائع ہوئے۔ دسمبر کے نصف آخر کے مصری انگلستانی اخبارات اور ہندوستان کے خصوصاً" ڈان اخبار کے تراشے۔

والپرٹ اور زیڈ اے شیخ وغیرہ نے جو لکھا اس میں قائداعظم کا اس امر پر زور تھا کہ تم مصر والے بلکہ سارے مشرق وسطیٰ والے آگاہ ہی نہیں ہو کہ انگریز کے جانے کے بعد جو مملکت' انگریزی استعمار کی وارث بنے گی وہ کتنی بڑی اور طاقتور مملکت ہو گی۔ تم لوگ ایک نئی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے' تمہاری نہر سویز آج انگریز کے اشارہ ابرو پر بند ہوتی اور کھلتی ہے تو کل

ہندو مملکت کا حکم نافذ ہو گا۔ ہاں اگر ہم وہاں پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہندو مملکت کی توجہ کا مرکز ہم ہوں گے تم عیش کرنا۔ اس لئے یہ امر ذہن نشین رہے کہ ہم ہندوستان میں فقط وہیں کے مسلمانوں کی جنگ آزادی نہیں لڑ رہے ہیں۔ ہم ہندو کی اجتماعی نفسیات کو جانتے ہیں' وہ غیر ہندو عناصر کو اپنے معاشرے میں زندہ نہیں رہنے دیتے' ہمیں معلوم ہے کہ اگر وہاں ہم ہار گئے تو ہم نہ صرف ازروئے تمدن مٹا دیئے جائیں گے بلکہ ہم از روئے دین بھی نابود ہو جائیں گے اور اگر ہم وہاں مٹ گئے تو ہمارے ارد گرد کے مسلمان ممالک بھی مشرق وسطیٰ سمیت برباد ہو جائیں گے۔ آپ بھی صفحہ ہستی سے محو ہو جائیں گے لہٰذا یاد رکھیں کہ اگر ہم ڈوبیں گے تو اکٹھے' تیریں گے تو اکٹھے۔

میرے محترم بھائی صلاح الدین صاحب ! آپ کے استفسار کا جواب تو قائداعظم کے مندرجہ بالا الفاظ میں موجود ہے' قائداعظم جو ہمارے جغادری علماء اور دین کے قیادت کاروں کے نزدیک روح دین سے بے بہرہ تھے' محض صاحب بہادر تھے بلکہ فاسق و فاجر تھے' وہ تو سارے عالم اسلام کے باب میں پاکستان کی اہمیت سمجھتے تھے اور اس اہمیت کو اہل مصر کے ذریعے سارے عالم عرب کے ذہن نشین کرا رہے تھے مگر خود ہندوستان میں بیٹھے ہوئے علماء اکابر اس بیچارے کی بات پر کان دھرنے کو تیار نہ تھے اس لئے کہ وہ ظاہری ہیئت کے اعتبار سے زمرہ شیوخ' ائمہ اور خطباء و صلحاء میں شامل نظر نہیں آتے تھے اور نہ گاندھی کی طرح لنگوٹی باندھتے تھے۔ ظاہر بین حضرات کے نشہ خود بینی اور مرض خود فروشی نے قائد اعظم کے قلب کا عالم اخلاص و نور نہ دیکھا۔ مرزا غالب نے خوب کہا تھا :

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ!
اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے؟

قمری کا رنگ خاکستری' بلبل خوشنما رنگوں کا مجموعہ (بلبل برعظیم کے باشندوں نے دیکھا ہی نہیں وہ سرد منطقوں میں پایا جانے والا خوب صورت پرندہ ہے) قمری بھی عاشق زار اور بلبل بھی عاشق جگر فگار' پھر کون سا لباس عشق کی نشانی ہے؟ غالب یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ عشق کا تعلق جان و دل سے ہے لباس سے نہیں---- عاشق کا لباس عاشقی ہے۔

بڑے دکھ کی بات ہے کہ اعلیٰ پائے کے ادباء و شعراء کی اکثریت تحریک پاکستان سے الگ رہی۔ یہ بڑے شعراء اور ادباء عموماً" متعقل تھے اور فیشن کے طور پر قومی معاملات سے نفور۔ ہندو گانٹھ کا پکا تھا کہ وہ اپنی ہر پارٹی ہر گروہ اور ہر پلیٹ فارم پر ہندو تھا' ہندوؤں میں کمیونسٹ بھی تھے مگر ہندو مفادات کے باب میں بھی فقط ہندو تھے' ہندوؤں میں رائے بہادر اور سر بھی تھے مگر وہ بھی اپنی قومی امنگوں سے ہم آہنگ تھے' خود ان کی اپنی قوم نے انکو ہندو جاتی کے مفادات کا دشمن کبھی نہ جانا' وہاں کانگریس اور مہا سبھا معناً" ایک تھے وہ سارے لیڈر قوم کے مشترک لیڈر تھے' وہ مشرک لوگ تھے مگر عملاً وحدت پسند' ادھر مسلمان موحد تھے مگر تفرقہ ہی تفرقہ۔ لہٰذا عملاً مشرک (قرآن نے امت میں تفرقہ پیدا کرنے والوں کو مشرک قرار دیا ہے)۔ تحریک پاکستان پھیل کر فقط مسلم لیگ ہی کا مسئلہ نہیں رہ گئی تھی بلکہ یہ تحریک برعظیم کی امت کے بھرپور سیاسی روپ کا نام تھا۔ تاہم ہمارے علماء کبار کی بھاری اکثریت کو اس میں مسلمانوں کا مفاد نہیں بلکہ فساد نظر آتا تھا' ایسا کیوں تھا؟

سب سے بڑا باعث تو یہ تھا کہ ان کے بلند بام علمی مناصب کے نصاب کا تاریخ سے کوئی تعلق نہیں' نہ تاریخ اسلام سے نہ تاریخ ہند سے' اپنی معاصر ارد گرد کی تاریخ سے بھی ناآگاہ' تاریخ سے بھی زیادہ ناواقفیت

جغرافے سے تھی' اپنے محل وقوع ہی کا علم نہیں۔ 1940ء کا ذکر ہے' میں میٹرک کا طالب علم تھا' سرگودھا کی جامع مسجد کے خطیب اعلیٰ اور مدرسہ سراج العلوم کے سربراہ میرے شفیق اور مہربان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے پوچھا "یہ ہٹلر کا وطن جرمل (جرمنی) کہاں ہے" میں کیسے بتاتا لہٰذا میں نے شہر سے دنیا کا نقشہ خرید لیا اور آ کے مسجد کی لائبریری کی ایک دیوار کے ساتھ لٹکا دیا' حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مرحوم نے معلمین اور سینئر طلباء کو بلوایا۔ وہ سب لوگ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے' بزرگ اپنا بیٹا جانتے تھے اور دیگر بھائی سمجھتے تھے۔ اب حضرت مولانا صالح محمد' مولانا دوست محمد' مولانا محمد حیات' مولانا قاری عبدالرحمان' مولانا محمد غوث اور اسی طرح مدرسے کی سب اہم شخصیتیں نقشے کے سامنے دائرے کی صورت میں جمع ہو گئیں' میری حیرت کی حد نہ رہی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ علماء اجل نقشے پر شمال اور جنوب نہیں بتا سکتے تھے۔ جغرافیے کا یہ عالم' تاریخ ہند سے بالکل ناواقف' معاصر غیر اقوام کے دھندوں سے قطعاً" بے نیاز یہ حضرات دینی علوم خصوصاً" حدیث شریف اور فقہ میں طاق تھے' منطق میں طرار اور صرف و نحو میں طیار۔۔۔! اس مدرسے کا علمی درجہ دیوبند کے برابر تھا اور ہے اور یہاں سے فارغ التحصیل آج بھی پاکستان کے ہر علاقے میں معزز علماء و فضلا اور اہل افتاء میں شامل ہیں۔ اس عظیم درسگاہ کا نصاب اگر دیو بند شریف ہی کے مطابق تھا تو عیاں ہے کہ دیو بند شریف کے فارغ التحصیل حضرات شاید چند ایک کو چھوڑ کر حالات گردوپیش سے خواہ وہ معاشی تھے خواہ انتظامی تھے یا سیاسی کس قدر آگاہ تھے؟ اس کے باوصف اصرار تھا کہ برعظیم کے مسلمان اپنے سارے فیصلے سیاسی امور سمیت' فقط علماء حضرات کے حسب فرمان اور ارشاد کریں' ہدایت فقط انہی سے طلب کریں۔

میں اس وقت بھی سوچتا تھا اور آج بھی سوچتا ہوں' اظہار خیال کرتا تھا' آج بھی اظہار خیال کرتا ہوں کہ ہمارے علماء حضرات میں سے کتنے تھے جن کو مسجد اور مدرسے کی زندگی سے باہر کے امور کا تجربہ تھا' ان میں سے کتنے تھے جن کو کسی معمولی سی ٹاؤن کمیٹی کے بھی کاروبار کا علم تھا' کیا انہوں نے ہندو کے ساتھ مل کر کبھی کسی دفتر' تجارتی حتیٰ کہ علمی ادارے میں بھی کام کیا تھا' پھر لازم تھا کہ وہ اپنا ہی کام کرتے جس میں وہ ماہر تھے یعنی صرف و نحو اور حدیث شریف پڑھاتے اور دیگر کام ان کو کرنے دیتے جو اُن کاموں کے ماہر تھے۔ قائداعظم یا دیگر مسلم لیگی زعماء نے کب کہا کہ علماء حضرات کو عربی نہیں آتی' یا وہ قرآن و حدیث کی عبارات کے معنی نہیں بیان کر سکتے' ہاں وہ یہ ضرور کہتے تھے کہ حضرات جس کام کا آپ کو تجربہ نہیں اس میں آپ ماہرانہ رائے نہ دیں' ہم آپ کے حلقہ علم میں مداخلت نہیں کرتے' ہم فتوے نہیں دیتے۔ ہم درس حدیث کا دورہ نہیں کراتے' اس کے اسلوب نہیں بتاتے یہ اس لئے کہ کسی کو بھی سارے کام نہیں کرنا ہوتے۔ جس کا کام اسی کو ساجھے۔ لیکن علماء نے پھر بھی ہندوستان کے ہندو مسلم مسئلے کا حل ان افراد کے سپرد نہ کیا جو تجارت کے میدان میں' بلدیات کے میدان میں' قانون سازی کے میدان میں' کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصابی اور علمی و تحقیقی میدان میں اور سیاست کے ہر درجے کے میدان میں ہندو کے ساتھ کام کر رہے تھے اور بخوبی جان رہے تھے کہ ہندو جہاں انگریزی استعمار سے نجات کا خواہاں ہے وہیں ساتھ ہی ساتھ کوشاں ہے کہ مسلمانوں کا بہر طریق اس طرح کچومر نکال دے کہ جب انگریز سے آزادی حاصل ہو تو مسلمان من حیث الامت ان کے لئے درد سر کا باعث نہ بن سکیں۔۔۔ یہ امر بالکل واضح تھا لیکن مسجد اور

سے کے باہر جھانک کر جنہوں نے دیکھا ہی نہ تھا اور
کا نصاب انہیں برادران وطن کی تاریخ و تہذیب
سے آگاہ ہونے ہی نہ دیتا تھا' وہ ہندو قوم کی اجتماعی
نفسیات اور مسلمانوں کے بارے میں ان کی نیتوں کو کیا
سمجھتے؟

وہ مسلمان جو ہندو کو ہر میدان میں کارفرما دیکھ
رہے تھے وہ بخوبی جان گئے کہ ہندو اپنے معاشرے میں
کسی غیر ہندو معاشرے یا سوسائٹی کو ایک متحرک عنصر کی
طرح موجود نہیں دیکھ سکتے۔ انہوں نے ہندوستان میں
آکر یہاں کے اصلی باشندوں کو تہس نہس کر دیا' قطعاً"
اچھوت بلکہ چنڈال بنا کر رکھ دیا' بدھ مت اور جین
مت کے پیروؤں کو نابود کر دیا' بدھ مت والوں نے
تقریباً" آٹھ سو سال بھارت کے کبھی بیشتر اور کبھی کمتر
حصے پر حکومت کی مگر جب برہمنی نظام دوبارہ مسلط ہوا تو
بدھ مت والوں کو ختم کر دیا گیا' وہ کروڑوں تھے مگر
محض ہو کر رہ گئے' وہ آج چین میں ہیں' جاپان میں
ہیں' ویت نام' کمبوڈیا' سری لنکا اور برما میں ہیں مگر وہاں
نہیں جہاں ان کا اصلی وطن تھا' جہاں انہوں نے
صدیوں حکومت کی تھی' جہاں کا عوامی مذہب بدھ دھرم
بن گیا تھا--- لیکن ہمارے علماء کی اکثریت کو اس بات
کا نہ علم تھا اور نہ اس سے غرض۔ یہ کہتے تھے پہلے
انگریز کو نکالو' بعد میں ہندو سے نبٹ لیں گے' لیکن ہندو
شناس اہل نظر اور امت کے مستقبل کو ہندو ذہن کے
آئینے میں دیکھ لینے والے اہل اخلاص نے رفتہ رفتہ یہ
طے کر لیا کہ ہندو اگر دو محاذوں پر لڑ رہا ہے یعنی
انگریزوں کے خلاف بھی اور مسلمانوں کے خلاف بھی تو
ہمیں بھی دونوں محاذوں پر لڑنا ہو گا۔ ہندو بھی اتنا ہی
دشمن ہے جتنا انگریز۔ لہٰذا یہ اہتمام ابھی سے شروع ہو
جانا چاہئے کہ جب انگریز جائے تو ہندو قوم مسلمانوں کو
من حیث الامت مغلوب نہ کر لے۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ
اور مولانا حسرت موہانی نے بہت پہلے یہ امر واضح کر دیا'
پھر مولانا محمد علی جوہر کانگریس سے جدا ہو گئے' شوکت
علی بھی' مولانا ظفر علی بھی' مولوی تمیز الدین خان بھی'
سردار عبدالرب نشتر بھی' خان عبدالقیوم خان اور مولانا
محمد اکرم خان بھی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ قائداعظم تو 1923ء
میں کانگریس کو پہچان کر الگ ہو گئے تھے۔

علماء دین کی بھاری اکثریت اتنی سی بات کو نہ سمجھ
سکی' چلیں یونہی سہی البتہ ہم یہ پوچھنے کا حق ضرور رکھتے
ہیں کہ ہندو کی ہاں میں ہاں ملانے والے لہٰذا انگریزی
جمہوریت کے متوالے علماء دین نے جب یہ دیکھا کہ
امت کی بھاری اکثریت نے تحریک پاکستان کو اپنا لیا ہے
تو کیا اپنی جمہوریت پسندی کے اصول کی روشنی میں ان
کو مسلمانان برعظیم کی مرضی قبول کر لینی چاہئے تھی یا
نہیں؟ آج بھی ان علماء کا وہی گروہ پرشکوہ اور اسی
طرح دیوبند کے باہر کے دین پسند حلقوں کے وابستگان'
جو ہر نظام پر خواہ وہ نظام شوریٰ ہی کیوں نہ ہو مغربی
جمہوریت کو ترجیح دیتے ہیں' مسلمانان برعظیم کے اس
واضح جمہوری فیصلے کو قبول کرنے پر کیوں تیار نہیں---
اگر علماء کی سیاست ہارتی ہے تو پھر ان کو ہرانے والی
جمہوری کاروائی مردود--- امریکہ کو ہر جمہوریت پسند
ہے ماسوا اس جمہوریت کے جس کے ذریعے رائج العقیدہ
مسلمانوں کے برسر اقتدار آنے کا خدشہ ہو یعنی اپنی اپنی
اصول پسندی اور اس کے معیار !--- مسلمانان برعظیم
نے بہ خلوص خاطر دینی جہاد کیا تھا۔ مسلمانوں کے لئے
ایک وطن حاصل کرنے کی خاطر اور الحمد للہ ثم الحمد للہ
کہ مسلمان عوام کی اکثریت کثیرہ کا پاکستان پر ایمان قائم
ہے۔ یہ الگ بات کہ سیکولر علماء یعنی گاندھی اور نہرو
کے پیرو ہندو ناشناس حضرات نے اور ان جیسے دیگر متکبر
علماء نے اس تحریک کو فراڈ قرار دیا تھا اور قائد اعظم کو
فراڈ اعظم کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ ان بزرگوں کی علمی

قدر اولاد آج بھی وہی کچھ کہتی ہے بہ مصداق **من صار کوالدہ فما ظلم** (جو اپنے باپ پر گیا اس نے کوئی زیادتی نہیں کی) مگر کیا وہ مسلمانان برعظیم کی جدوجہد کو جمہوری نقطہ نظر سے بھی سر آنکھوں پر نہیں رکھتے؟ ہندو کا جمہوری فیصلہ قبول مگر مسلمانوں کا جمہوری فیصلہ مردود!!

صلاح الدین صاحب! آپ کو خدا نے حق بین نگاہ عطا کی ہے آپ ملاحظہ فرمائیں کہ خود کو دین کا پاسبان اور اسلام کے محافظ اور داعی جاننے والوں نے 1945ء اور 1946ء کے انتخاب میں کیا رویہ اختیار کیا تھا؟ یہی نا کہ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ مسلم لیگ جیتے یا کوئی اور پارٹی' پاکستان معرض وجود میں آئے یا نہ آئے ہم کو تو خدمت اسلام سے غرض ہے ہم خدمت اسلام کے موقف پر قائم ہیں' وہ لوگ بری طرح ناکام رہے' آج بھی ان عالی شان حضرات اہل ایمان کا موقف یہی ہے کہ کوئی ہارے یا جیتے ہمیں غرض نہیں' کسی وطن دشمن سیاسی پارٹی کو فتح حاصل ہو ہماری بلا سے' یہودی اور برہمن اور امریکن مقاصد کو تقویت نصیب ہو بیشک ہوتی رہے' ہاں ہم خدمت اسلام کے موقف پر قائم ہیں ہمارا موقف درست ہے اور وہ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے اس رویئے نے پاکستان پر یہودی اور قادیانی اور برہمنی گرفت مضبوط تر کر دی ہے:

صاحب گنبد خضریٰ! میں فریادی بن کر آیا ہوں
تاج و تخت ختم نبوت بیچ دیا دیں داروں نے

یہ ہیں وہ لوگ جو یہ منحوس استفسار کرتے ہیں کہ پاکستان نہ بنتا تو کس کس طرح کا واضح فائدہ میسر آسکتا تھا دینی' اخلاقی' سیاسی اور معاشی وغیرہ وغیرہ اعتبارات سے۔ ایسے لوگوں کو الحمد للہ اب اہل قادیان کی جماعت بھی بطور معاون مل گئی ہے۔ اس جماعت کا ہر فرد فن تاویل کا بادشاہ ہے اور آج اس جماعت کا ہر فرد چھوٹا بڑا' مذکر' مونث' پاکستان کے خلاف عقلی دلیلوں کے انبار لگا رہا ہے۔

ہندو نے پاکستان کو تسلیم نہیں کیا' ہندو سربراہوں کے چیلوں نے بھی اس مملکت خداداد کو تسلیم نہیں کیا۔ یورپی مسیحی قومیں خصوصاً" انگریز اس برعظیم میں اسلام کے نام پر کسی مملکت کا ظہور قبول کرنے کو تیار نہ تھے ان کے پروردہ قادیانی حضرات اور روحانی صاحب بہادران کا تاحال یہی حال ہے' کیا جس طرح تحریک پاکستان کے دوران میں علماء کبار' ہندو اور انگریز کا خصوصاً" مونٹ بیٹن اور اٹلی کی حکومت کا رویہ نہ سمجھ سکے' آج بھی اسی طرح غافل ہیں یا دانستہ سیکولرازم کے پرستار ہیں' یہ منحوس سوال کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو آیا ہم اس اعتبار سے اچھے رہتے' اٹھا ہی کیوں؟ قوم کے عوام اس سوال کو ان کے ایمان کے خلاف آوازۂ مبارزت سمجھتے ہیں' ایسے سوال کو وہ اپنی توہین گردانتے ہیں لہٰذا انہوں نے ایسے سیکولر عناصر کو جو محراب و منبر اور کرسی و دفاتر کی زینت ہیں' پائے استحقار سے ٹھکرا دیا ہے--- اہل پاکستان کی اکثریت کثیرہ کا پاکستان پر بھرپور ایمان تھا اور وہ ایمان قائم ہے۔ علماء نے اور دین کے دیگر علمبرداروں نے تحریک پاکستان کے دوران میں مسلمان عوام کا دل دکھایا تھا اور آج بھی انہوں نے وہی اذیت کاری دہرائی ہے۔

خدا توفیق کیش کفر خشد دیں پناہاں را

ہاں اس وقت اور اس وقت میں فرق ہے' تحریک پاکستان کے دوران میں امت کو ایک قد آور قائد میسر تھا جس کی بصیرت' اخلاص' ذہانت اور سب سے بڑھ کر امانت داری پر امت مسلمہ ہندیہ کو بھرپور اعتماد تھا اور آج ایسا کوئی مرکزی فرد جو نظر گاہ اعتماد بن سکے موجود نہیں۔

پروفیسر بنی پرشاد نے لکھا تھا کہ مسلمان ابھی تک اپنی انفرادی ہستی قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے پہلے یہاں آنے والے گروہ اور قومیں ہندو معاشرے میں مدغم ہو گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ مسلمانوں پر بھی عیاں ہے کہ وہ بھارت کو ترکی' ایران اور مصر کی طرح اسلامی رنگ نہیں دے سکے۔ سرل مودک نے کہا کہ مسلمان بھی دیگر غیر ہندو اقوام کی طرح ہندوؤں کی محبت کے باعث ہندوؤں میں ضم میں ہو جائیں گے یعنی نابود ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے فرمایا (وہ ڈاکٹر رادھا کرشنن جو بھارت کے فیلسوف صدر تھے) کہ ہندو دھرم نے بدھ مت کو بھائیوں کی طرح بغل گیر ہو کر ختم کر دیا' سوامی دھرم تیرتھ جی مہاراج نے ارشاد کیا ڈاکٹر رادھا کرشنن کچھ بھی فرمائیں حقیقت یہ ہے کہ برہمنی ہندوؤں نے بدھوں کو قتل کیا' انکے گھر گرائے' ان کے جانور ہلاک کیے ان کی فصلوں کو آگ لگا دی' ان کی اکثریت کو علاقہ بدر کر دیا--- شیام پرشاد مکر جی نے قرار داد پاکستان کے پیش اور پاس ہونے سے بھی تقریباً" ایک برس بعد دیا کھیان دیا کہ "تقسیم کے آوازے ادھر ادھر سے سن رہا ہوں' اگر پاکستان بن بھی گیا تو ہم اسے باقی نہیں رہنے دیں گے"۔

سوامی دیانند جی نے فرمایا کہ بھارت وید دھرم کا وطن ہے اور بھارت کو واپس ویدوں کی طرف جانا ہے اور یہاں بسنے والوں کو ویدی دھرم کے رنگ میں خود کو رنگنا ہو گا۔ RSSS کے بل راج مدھوک نے اظہار افسوس کیا کہ ہندو قوم نے ایک ہزار سال قبل محمد (ﷺ) کا بت بنا کر مسجد مندر منڈی بازار وغیرہ میں کیوں نہ سجا دیا' مسلمان اپنے پیغمبر کو پوجنے آتے تو ان کے دلوں سے ہمارے بتوں کی نفرت بھی نکل جاتی اور رفتہ رفتہ وہ ہمیں میں گم ہو جاتے جس طرح بدھ مت والے ہو گئے۔ ہم نے بدھ مت جی کو اوتار مان لیا اور ان کا بت اپنے بتوں میں شامل کر لیا ہمارے سینکڑوں ہزاروں بتوں میں ایک بت کا اضافہ ہو گیا مگر بدھ کہیں کے نہ رہے (حالانکہ بدھوں کو جبراً" قہراً" ختم کیا گیا تھا جیسا سطور سابق میں سوامی دھرم تیرتھ جی مہاراجا کی زبانی بیان ہوا)--- گاندھی جی نے فرمایا کہ مجھے اردو زبان کے حروف قرآن کے حروف سے مشترک نظر آتے ہیں' لہٰذا ہندوستانی زبان اختیار کی جائے اور وہ بھی دیوناگری اکھروں میں۔ پنڈت جواہر لال نہرو جی بڑے روشن خیال انٹلکچوئل ہونے کے مدعی تھے۔ انہوں نے فرمایا ہندوستان میں ایک ہی قوم ہے "ہندوستانی"---- دو قومی نظریہ مٹھی بھر افراد کا پیدا کردہ شاخسانہ ہے۔ میں نے غور سے دیکھا ہے' میں نے خوردبین لگا کر غور سے دیکھا ہے مگر دوسری قوم مجھے تو نظر نہیں آئی--- دو قومی مسئلہ کہاں ہے----- یعنی مسلمانوں کے جداگانہ وجود سے یکسر انکار ! 1937ء میں جب کانگریسی وزارتوں کا قیام عمل میں آیا تو چھ صوبوں میں ودیا مندر اسکیم نافذ کر دی گئی۔ وہ تعلیمی منصوبہ یہ تھا کہ غیر بھارتی عناصر کو بھارتی زندگی میں سے نکال باہر کیا جائے' بھارتی ہیرو اور وہ بھی ہندو سامنے لائے جائیں' زبان ہندی نافذ کی جائے' گیت بندے ماترم مدرسوں میں گایا جائے' اس بندے ماترم کو قائداعظم نے مشرکانہ گیت قرار دیا تھا۔ بندے ماترم جس ناول آنند مٹھ سے لیا گیا تھا اس کی ساری کہانی مسلم دشمنی کے زہر سے لبریز ہے' مسلمان عوام اور مسلم لیگی قائدین' ہندوؤں کے اس صریح مسلم کش رویئے پر چیخ اٹھے' ہاں گاندھی جی کی مورتی بھی مدرسوں میں سجا دی گئی تھی جس کے روبرو ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہونا اور پرنام عرض کرنا شامل درس و تربیت قرار دیا گیا' مسلمان بچوں اور بچیوں کو بھی اس

کارشرک پر مجبور کیا جانے لگا' چنانچہ مسلمانوں کو باقاعدہ کمیشن بٹھانے پڑے اور ان کمیشنوں نے تحقیقی رپورٹس شائع کیں' شریف رپورٹ' پیر پور رپورٹ اور اے کے فضل الحق رپورٹ کا تعلق اسی روداد ستم و جور سے تھا لیکن مسلمانوں کے صاحب بہادر' کمیونسٹ وغیرہ طبقے تو ایک طرف رہے علم داران دین متین نے مسلمان عوام اور ان کے ہر دلعزیز قائدین کی ایک نہ سنی۔ علماء کے نمائندے مسلسل کہتے رہے کہ بندے ماترم قومی گیت ہے ہم گاتے رہیں گے' حضرت ابو الکلام جیسے بزرگوں نے اوپر بیان کردہ تحقیقی رپورٹ کی تردید کی اور جب مسلمانوں نے کانگریسی وزارتوں کے خاتمے پر دسمبر 1939ء میں یوم نجات منایا تو ہندو جاتی کو تو دکھ ہونا ہی تھا' علماء حضرات نے بھی مسلم عوام اور مسلم لیگ کے اس عمل کو متحدہ قومیت کی روح پر فتوح کے خلاف عناد و فساد قرار دیا۔۔۔ یاد رہے کہ یوم نجات میں اچھوتوں نے بھی مسلمان عوام کا ساتھ دیا تھا جیسا کہ ڈاکٹر لنکا سندرم نے اپنی کتاب State for India A Secular میں ذکر کیا ہے۔

تو حضرات ! بھارتی ہندو جاتی اور اس کی قیادت پاکستان اور اہل اسلام کا وجود اس برعظیم سے مٹانے کے درپے تھی اور درپے ہے۔ کیا اس حالت میں وہاں مسلمانوں کے لئے کوئی بہتری عمل میں آسکتی تھی۔۔۔ کیا وہ مسلمان جو وہاں ہیں ان کی صورتحال خود ٹھوس شہادت نہیں اس امر کی کہ ان کو مٹانے کی کوششیں جاری ہیں۔ ہمارے قوم پرست ملا یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ ہندو قوم مسلمانوں کو نہیں مٹا سکتی۔ بارہ سو سال ہو گئے ہیں اکٹھے رہتے ہوئے' خدا جانے ہمارے قوم پرست ملا کی دانش کیوں غائب رہتی ہے' ہم ہندو کے ساتھ اکٹھے کب رہے؟ ہم حاکم تھے' ہندو محکوم تھے۔ صدیوں یہ حال رہا۔ ایسی صورت میں وہ مسلمانوں کو کس طرح نقب لگاتے' الٹا ان کو نقب لگتی رہی' مسلمان اور ہندو دونوں انگریز کے غلام ہو گئے' ایسے عالم میں ہندو بھی بے بس تھا' ویسے ہندو مسلمان ایک ہی برعظیم میں آباد ہونے کے باوجود اکٹھے کبھی نہیں رہے۔ حق یہ کہ امتحان اور آزمائش کا وقت اب آیا ہے جب بھارت میں ہندو حاکم کی طرح مسلط ہو گیا ہے' بھارتی مسلمان کو نقب لگ رہی ہے' نصاب مدرسوں میں وہ پڑھایا جا رہا ہے کہ مسلمان بچہ اپنی قوم کے اکابر ماضی سے یا بے خبر رہے یا ان سے نفرت کرے اور ہندو اکابر کا معتقد ہوتا چلا جائے۔ چند روز ہوئے ٹی وی لگایا تو ہندوستان چینل چل پڑا' ایک لڑکا بات کر رہا تھا میرے پتا کا نام گپتا جی ہے اور میری ماتا کا نام نسیم بیگم ہے' میں ہندو ہوں اور میری بہن مسلمان ہی' ہم چاروں بڑے امن اور چین سے اپنے گھر میں رہ رہے ہیں۔۔۔۔

قرآن کریم میں قوم یہود سے اللہ نے ایک سے زیادہ بار کہا ہے کہ وہ دن یاد کرو جب تم فرعون کی رسوا کن غلامی میں مبتلا تھے۔ فرعون تمہارے مردوں کو قتل کرا دیتا تھا اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔۔۔ ظاہر ہے کہ اگر مرد واقعی قتل ہو جاتے تو اولاد کیسے پیدا ہوتی' عورتیں کیسے وجود میں آتیں یہاں مار دینا مجازاً کہا ہے۔ مراد ہے کہ یہودی مردوں کو پامال اور مسکین و عاجز بنا کر رکھا جاتا تھا اور یہودی عورتوں کو اچھی تربیت دی جاتی تھی تاکہ وہ قوم فرعون کی عیاشی کا سامان بنیں۔۔۔۔ یہی حال اب ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ مسلمان بچیوں کو تعلیمی وظائف سے' مسلم نوازی کے طور پر تربیت و تعلیم دی جاتی ہے جب وہ گریجویٹ ہو جاتی ہیں یا ایم اے' ایم ایس سی کر لیتی ہیں یا طبی تعلیم مکمل کر لیتی ہیں تو شادی کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے'

جس ماحول میں تعلیم عمل میں آتی ہے وہ سیکولر ہے اور گھر اور رشتہ داروں میں موافق بر نہیں ملتا' چچیرا بھائی ریکشہ چلا رہا ہے' ماموں کا بیٹا سائیکل کو پنکچر لگا رہا ہے' خالہ زاد مستری ہے اور دور کا بھی کوئی پڑھا لکھا رشتہ سمجھ نہیں آتا لہٰذا بڑے آرام سے مسلمان بچی غیر مسلموں کے کام آجاتی ہے۔ ہمارے ناشکر گزار مسلمان' جن کی اکثریت علماء اور صاحب بہادروں پر مشتمل ہے' اب اس گروہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کو کانگرس نے قائداعظم کی جوتیوں کے طفیل کروڑ پتی بنا دیا اور منصب عزت سے نوازا ہے' کیا یہ لوگ اللہ میاں کے یہودیوں سے اس خطاب کا معنی بالکل نہیں سمجھتے؟

کچھ عرصہ ہوا رام پور یو۔ پی (بھارت) سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے جو پاکستان کے ایک اہم ادارے میں انگریزی ادبیات کے استاد تھے مجھ سے راز دارانہ سوز و ساز کے ساتھ کہا مرزا صاحب ! ذرا ہم ٹھنڈے دل سے سوچیں تو سہی 1935ء کے ایکٹ نے صوبائی اختیارات کتنے وسیع کر دیئے تھے' گویا پورا پنجاب اور بنگال باقی دو تین چھوٹے یونٹوں سمیت اپنا تھا۔ آزادی کے بعد صوبائی حقوق میں اور بھی اضافہ ہو جاتا پھر ہم نے علیحدگی کا درد سر کیوں مول لیا؟ انگریزی کے پروفیسروں میں اور بھی کئی ایسے ہی متعقل اور صاحب بہادر ہیں۔ میں نے عرض کیا حضور قوت مرکز کے پاس ہوتی ہے۔ قومی پالیسی مرکز نافذ کرتا ہے۔ مرکز جب چاہے جس صوبے کا چاہے گلا دبوچ لے' اس کے علاوہ آپ یہ دیکھیں کہ اصل متحدہ پنجاب کے نصف سے کچھ کم پنجاب بھارت کو ملا تھا' سکھوں کے باعث بھارت نے اس پنجاب کے تین ٹکڑے کر دیئے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ کے پاس پنجاب اور بنگال اس صورت میں رہنے دیتا کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت رہتی؟ وہ بنگال کا بھی تیا پانچا کر دیتا اور پنجاب کا بھی' بنگال کے کچھ حصے اور بہار کے کچھ حصے ملا کر نیا نقشہ بنا دیتا' اسی طرح پنجاب کے ساتھ یو۔ پی کا کچھ حصہ ملا کر اور کچھ حصہ انبالہ ڈویژن کے ساتھ ملحق کر کے تین صوبے بنا دیتا' اور جب مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں کا تیا پانچا کیا جاتا تو اسے انتظامی ضرورت قرار دیا جاتا' کیا وہ لوگ جو امت کے مفاد کو سمجھتے نہیں یا مکر کا شکار ہو جاتے ہیں یا پیٹ کی لپیٹ میں آجاتے ہیں' ہندو حکومت کی اس مسلم کش حکمت عملی کی تائید نہ کرتے؟ بیشک مسلمان عوام چیختے رہتے۔ پروفیسر صاحب یہ سن کر خاموش ہو گئے' میں نے عرض کیا آخر پاکستان میں رہتے ہوئے آپ پاکستان کی بہتری کے بارے میں کوئی تجویز پیش کرنے یا سوچنے کے بجائے الٹا پاکستان کو ختم ہی کر دینے کے ضمن میں کیوں ذہن کو تیار کرتے رہتے ہیں؟ اور قرار داد لاہور کو منسوخ کرنے کے در پے کیوں رہتے ہیں؟ میں نے وضاحتاً" کہا کہ مسلم لیگ نے 1921ء میں اور پھر چودہ نقاط میں شامل چھٹے نقطے کی رو سے انگریزی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ مسلم اکثریتی صوبوں کی حد بندی کو ہرگز یوں نہ چھیڑا جائے کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریتی حیثیت متاثر ہو' لیکن متحدہ ہندوستان میں چھٹا نقطہ کیوں ملحوظ رہتا ! میں نے مزید عرض کیا کہ اگر آپ جیسا متعقل مجھ جیسے متعصب پاکستانی مسلمان سے بھی یہ راز و نیاز کرنے کی جرات کر سکتا ہے تو نہ جانے دیگر کس کس سے آپ نے یہ قول لقمانی عرض نہیں فرمایا ہو گا---- **فی قلوبھم مرض فزادھم اللّٰہ مرضا**"---- قائد اعظم کو فاجر قائد کہنے والے سوچیں تو ذرا کہ امت مسلمہ کے باب میں اتنا بیدار ذہن خدائے رحمان و رحیم فاجروں کو عطا کرتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ رحمت اللہ طارق

نماز پنج گانہ

نماز پنج گانہ سے متعلق علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کا بصیرت افروز مضمون قارئین فروری کے شمارہ میں پڑھ چکے ہونگے۔ یہ مضمون ان حضرات کے استفادہ کے لئے شامل اشاعت کیا گیا تھا جو لفظ "نماز" کو غیر قرآنی اصطلاح قرار دیکر ادائیگی نماز سے فرار کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ مضمون کا آخری حصہ اشاعت سے رہ گیا تھا جو درج ذیل ہے۔ قبل ازیں شائع ہونے والے مضمون کے صفحہ 27 پر لائین 7 میں لفظ "بلغ بلغ" کو "بخ بخ" میں تبدیل کر لیجئے۔ شکریہ
(مدیر طلوع اسلام)

میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ "صلوٰۃ" عبادات و احکام کی ایک جامع اصطلاح بھی ہے اور نظام خداوندی کا ضابطہ بھی بایں ہمہ یہ ایک پہلو دار لفظ بھی ہے جس کے معانی کا مختلف مناسبتوں سے قرائن ہی تعین کریں گے مثلاً" ہود (86) میں "صلوٰۃ" کو نظام ربوبیت کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے جس کے لئے دو قرائن استعمال ہوئے ہیں۔ I- اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ۔ یہاں تامر (آرڈر دینا) کا قرینہ "صلوٰۃ" کو ضابطہ اور قانون کے مفہوم میں بدل دیتا ہے۔ II- دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بڑے لوگوں کے اموال کو سب پر کھلا رکھنے کی بات ہوئی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ "صلوٰۃ" سے مراد رکوع، سجدے والی صلوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح نماز کے اوقات، وضو، اذان اور مساجد ایسے قرائن ہیں جو صلوٰۃ کو رکوع و سجدے والی نماز میں ظاہر کرتے ہیں۔ اس طرح صلوٰۃ روح اور مسجد جسم سے تعبیر ہے یعنی کہ

صلوٰۃ اور مسجد لازم و ملزوم ہیں جس طرح صلوٰۃ اسلامی ثقافت کا روشن استعارہ ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے دینی و سیاسی کلچر کا خمیر بھی مسجد سے اٹھتا ہے۔ ملاؤں نے اگر مسجد کو تخریب کاری کے مرکز میں اور نمازوں کو فرقہ بازی اور نفرت کے مظہر میں پیش کر ہی دیا ہے تو اس کا وبال ہم سب بھگت رہے ہیں لیکن اس سے مسجد اور نماز کے اسلامی کلچر اور مسلم شناخت کی نفی کیونکر ہونے لگی؟ رسول اللہ ﷺ نے پہلی مسجد بستی قبا اور دوسری مسجد مدینہ منورہ میں تعمیر کی اور آج دنیا میں پھیلی ہوئی کروڑوں مساجد مسلم کلچر اور شناخت کی واضح شہادت پیش کر رہی ہیں کیا نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ کسی

قرض کیلئے کیا تھا؟ کیا مساجد کی تعمیر کے پیکر
ئے آرٹ کا یونہی اضافہ کیا تھا۔ اس سے
اور "پہچان" کی غرض نہیں تھی؟ یارو کچھ

اس وضاحت کے ساتھ ہی عصر حاضر کے ایک
ر قرآن علامہ غلام احمد پرویز کے دو اقتباس
فرمایئے' شاید کہ دل بیمار کو افاقہ ہو جائے۔
(4:102) سجدہ سے مراد نماز کا وہ سجدہ-- ہے
نسان سچ مچ اپنا سر خدا کے سامنے جھکاتا ہے
یہ شکل زمانہ نزول قرآن میں نبی اکرمؐ اور
مومنین میں رائج تھی۔ قرآن کریم میں صلوٰۃ
حج ہی وہ تقاریب ہیں جس میں محسوس ارکان
(F) کی تھوڑی سی شکل باقی رکھی گئی ہے۔ یہ
چیزیں (صلوٰۃ و حج) اجتماعی عمل ہیں اور اجتماعی
یئے ویسے بھی ضروری ہوتا ہے کہ ان کی محسوس
شکل میں یک جہتی اور ہم آہنگی ہو"

(لغات القرآن جلد 1/847/2 تا 71)

نیز فرماتے ہیں

بڑے سے بڑا تصوراتی مفکر (Idealist) بھی جب بات کرتا ہے تو اس کے لئے ہاتھ' پاؤں' سر' آنکھ کی حرکات ناگزیر ہوتی ہیں وہ ان محسوس اشارات کے بغیر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کر ہی نہیں سکتا (وہ اس طرح مجرد حقائق (Abstract Truths) کو بھی محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے) یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم نے (Form) سے اس قدر بلند ہو جانے کے باوجود بعض مقامات میں اسے باقی رکھا ہے۔ **صلوٰۃ** (نماز) میں قیام و رکوع و سجود کی طبعی حرکات اسی حقیقت کے مظہر ہیں۔

(لغات القرآن جلد 19/846/2 تا 25)

۲۵ سالہ تجربہ کار

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ھاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۲۷۵۳۷
فیکس نمبر: ۲۴۱۹۷۸۲
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

وہ کون سا دماغ ہے ___

جس میں ___ اِس قِسم سوالات نہیں اُبھرتے کہ :

○ کیا انسان کی قسمت پہلے سے لکھی ہوتی ہے ؟ ○ کیا سب کچھ خُدا کی مرضی سے ہوتا ہے ؟

○ کیا غریبوں کی قسمت ہی ایسی ہے کہ وہ ساری عُمر دھکّے کھاتے رہیں ؟ ○ کیا خُدا کو ایسا ہی منظور ہے ؟

○ کیا موت کا ایک دن مقرّر ہے یا وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتی ہے ؟

○ بعض بچے پیدائشی اندھے، لُولے، لنگڑے کیوں ہوتے ہیں ؟ کیا یہ بھی خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ؟

○ اگر خُدا کے ہاں عدل ہے تو وہ ظالموں کو ظلم سے کیوں نہیں روکتا ؟

○ کیا دُعا سے تقدیر بدل جاتی ہے ؟ اگر نہیں بدلتی تو ہم دُعائیں کیوں کرتے ہیں ؟

یہ، اور اِسی قِسم کے دیگر سوالات کا تعلق **مسئلۂ تقدیر** سے ہے جس نے انسانی ذہن کو ہمیشہ طلسمِ پیچ و تاب بنائے رکھا ہے۔

یہی وہ مسئلہ تھا جس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے **کارل مارکس** نے کہہ دیا کہ :

مذہب عوام کے لیے افیون ہے

جنابِ **پرویز** نے ___ دُنیا کے اِس مشکل ترین مسئلہ کو ___ اپنی تصنیف

کتاب التقدیر

میں، قرآنِ کریم کی روشنی میں، اس عُمدگی سے حل کر دیا ہے کہ اس کے بعد ذہن میں کوئی خلجان باقی نہیں رہتا۔

___ قیمت : سٹوڈنٹ =/120 - اعلیٰ =/240

PAMPHLETS -- پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس دو روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1 اسلام کیا ہے؟	2 الزکوٰۃ
3 کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟	4 کافرگری
5 سوچیو (سندھی)	6 سوچا کرو
7 اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	8 الصلوٰۃ
9 مرض تشخیص اور علاج	10 مقام اقبالؒ
11 دو قومی نظریہ	12 روٹی کا مسئلہ
13 جہاں مارکس ناکام رہ گیا	14 حرام کی کمائی
15 مرزائیت اور طلوع اسلام	16 مقام محمدی ﷺ
17 خدا کی مرضی	18 دعوت پرویز کیا ہے؟
19 فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟	20 قرآن کا سیاسی نظام
21 ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ	22 Islamic Ideology
23 آرٹ اور اسلام	24 احادیث کا صحیح ترین مجموعہ
25 ماؤزے تنگ اور قرآن	26 ہم میں کریکٹر کیوں نہیں؟
27 عالمگیر افسانے	28 عورت قرآن کے آئینے میں
29 اندھے کی لکڑی	30 بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
31 قرآن کا معاشی نظام	32 قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
33 اسلام آگے کیوں نہ چلا؟	34 اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے؟
35 Is Islam a Failure?	36 Why Islam is the Only True Deen?

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ادارہ)

یہ ہمارا خواب تھا

(1) حضرت عمرؓ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے ذرا دیر سے نکلے۔ منبر پر چڑھے تو لوگوں سے معذرت کی کہ اس تاخیر کا باعث ان کا کرتا ہے۔ انہوں نے اسے دھو کر سکھانے کیلئے ڈال رکھا تھا اور اس کے سوکھنے میں دیر ہو گئی۔

(2) حضرت عمرؓ اپنے اہل و عیال کے اخراجات کیلئے صرف دو درہم روزانہ بیت المال سے لیا کرتے تھے۔ یہ ایک مزدور کی کم از کم روزانہ اجرت کے برابر تھا۔

(3) بیت المال میں کہیں سے مشک آئی۔ حضرت عمرؓ کی بیوی نے کہا کہ لائیے اسے ترازو سے تول دوں۔ فرمایا ہاں اسے تم ترازو میں تولو گی اور جو مشک پلڑے میں رہ جائے گی اسے اپنے کپڑوں سے مل لو گی۔ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ عمرؓ کا نہیں کہ یوں اپنے صرفہ میں لے آؤ۔

یہ خواب کی تعبیر ہے

دسمبر 1998ء کے شروع میں مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف واشنگٹن کے دورے پر گئے تو اپنے ساتھ 120 افراد لے گئے۔ ان میں سے بعض اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے گئے تھے.... سرکاری طور پر واشنگٹن میں تین دنوں کا قیام تھا اور دو دن نیویارک بھی جانا تھا۔ اس دوران میاں صاحب ان ایک سو بیس افراد کے ساتھ نیاگرہ آبشار دیکھنے بھی گئے۔ اس دورے کے ہوش ربا اخراجات اس زرمبادلہ میں سے ادا کئے گئے جو روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ وزیراعظم کشکول لے کر واشنگٹن گئے تھے۔ چچا سام چاہتا تھا کہ پاکستان اپنے ایٹمی پروگراموں' دہشت گردی اور منشیات فروشی کے خاتمے اور انسداد کے سلسلے میں مزید پراگریس دکھائے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ ایک سو بیس مفت خورے امریکہ کو کس طرح قائل کر سکتے تھے کہ وہ پاکستان کو قرضہ یا امداد دے اور انہوں نے معلوم نہیں کس طرح فرض کر لیا تھا کہ امریکی اس بارات جیسے ہجوم سے متاثر ہو جائیں گے۔

زیادہ ضروری خود داری اور وقار تھا لیکن یہ نام نہاد وی آئی پی اس تصور سے ناآشنا تھے۔ دوسروں سے عزت کروانے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے آپ کو عزت دار بنائے..... امریکن ایک ایسے ملک کے اتنے بڑے ہجوم سے متاثر نہیں ہوتے جو ملک دیوالیہ پن تک پہنچ چکا ہے اور جس کے لیڈر اپنے آپ کو تیل پیدا کرنے والے امیر ترین ملک برونائی کے شیخوں جیسا دولت مند سمجھتے ہیں۔

امریکہ سے پاکستان کو واپسی پر یہ ہجوم وزیراعظم کے ساتھ لندن میں رکا۔ لندن' قیام کے معاملے میں یہ شہر بہت مہنگا ہے۔ وزیراعظم نے لندن میں پاکستانی ہائی کمیشن سے کہا کہ کفایت شعاری کی خاطر اس اتنے بڑے "وفد" کو کسی فائیو سٹار ہوٹل میں ٹھہرانے کی بجائے فور سٹار ہوٹل میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا جائے۔ لندن میں کسی فور سٹار ہوٹل میں قیام کے لئے بھی ایک خزانہ چاہئے۔

پاکستان کے یہ وی آئی پی اس میں اپنی توہین سمجھنے لگے' انہیں بھلا کیسے فور سٹار میں ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ اگر ملک دیوالیہ ہو گیا ہے تو کیا ہوا۔ ان ایک سو بیس افراد کی انا کو بچانا اتنا ضروری نہیں تھا جتنی ضرورت یہ تھی کہ ملک کو دیوالیہ ہونے سے بچایا جائے۔ ان لوگوں کو ایک بڑی خوشنما جگہ پر واقع ماربل آرک کمبرلینڈ ہوٹل میں ٹھہرایا گیا جس کے اخراجات 90 پونڈ (تقریباً" آٹھ ہزار دو سو روپیہ) روزانہ ہیں لیکن ان پاکستانی "اہم شخصیتوں" کو اس ہوٹل میں ٹھہرنا منظور نہ تھا۔ وہ اس سے کہیں زیادہ مہنگے ہوٹل (فائیو سٹار) میں قیام کرنا چاہتے تھے اور فور سٹار ہوٹل کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے.... سب سے پہلے سابق وزیرخزانہ سرتاج عزیز نے شکایت کی جنہیں سب سے زیادہ معلوم ہونا چاہئے تھا کہ پاکستان کس قدر غریب ملک ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس ہوٹل کے کمرے بہت چھوٹے ہیں۔ دو اور وزراء چوہدری نثار علی اور عابدہ حسین بھی اسی طرح پریشان ہو گئیں بیگم عابدہ حسین کو یہ شکایت تھی کہ پلنگ بہت چھوٹے ہیں۔ اس خاتون وزیر نے یہ شکایت غالباً" اس لئے کی تھی کہ ان کا خاوند بھی ان کے ساتھ تھا۔ (کوئی عام پاکستانی اس ہوٹل میں جا کر کمرے اور پلنگ وغیرہ دیکھے تو دنگ رہ جائے کہ کوئی کمرہ اتنا شاہانہ بھی ہو سکتا ہے!)

یوں لگتا تھا جیسے یہ وزراء کرام بکنگھم کے شاہی محل میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ دیوالیہ ری پبلک آف پاکستان کے ان وزراء کو ان کی شکایت پر پارک لین میں ہلٹن ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ صرف موجودہ وزیر خزانہ اسحاق ڈار تھے جنہوں نے فور سٹار ہوٹل سے نکل کر فائیو سٹار ہوٹل میں جانے سے انکار کیا کیونکہ وہ صحیح طور پر جانتے تھے کہ ملک کی معاشی حالت ایسی دگرگوں ہے۔

جنہوں نے ہلٹن ہوٹل میں منتقل ہونے پر ضد کی تھی ان میں سرتاج عزیز' چوہدری نثار علی' غوث علی شاہ' بیگم عابدہ حسین اور ان کے خاوند فخر امام تھے جو نہ وزیر تھے نہ ان کی کوئی سرکاری حیثیت تھی۔ ہلٹن ہوٹل میں منتقل ہونے والوں میں وزارت خارجہ کے سیکرٹری شمشاد احمد' حاجی باز گل آفریدی جو صرف ایم این اے ہیں' شامل تھے۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ ہلٹن ہوٹل کے ایک کمرے کا کرایہ صرف ایک رات کے لئے 250 پونڈ ہے یعنی پاکستانی چوبیس ہزار روپیہ روزانہ۔

یہ بھی نوٹ فرمائیں کہ ہلٹن ہوٹل میں منتقل ہونے والے کمبرلینڈ کے فور سٹار ہوٹل میں صرف دو گھنٹے ٹھہرے تھے لیکن پاکستان کو کمروں کا پورا کرایہ ادا کرنا پڑا۔ یہ کمرے انہوں نے استعمال ہی نہیں کئے تھے۔ صرف اعجاز الحق تھے جو لندن میں اپنے فلیٹ میں ٹھہرے تھے۔ ذرا غور فرمائیں کہ لندن میں میاں نواز شریف کا ذاتی فلیٹ موجود ہے۔ انہیں ملک کی معاشی حالت کا احساس ہوتا تو ان وزیروں کو اپنے ساتھ اس فلیٹ میں لے جاتے اور مفت قیام کرتے۔

لندن میں بے نظیر بھٹو کا اتنا وسیع و عریض سرے محل ہے جو بالکل خالی پڑا تھا سوائے چند ایک گھوڑوں کے جو ان کے خاوند زرداری کی ملکیت ہیں۔ زرداری ان دنوں کراچی جیل میں آرام کر رہے ہیں اور انہیں قتل اور سرکاری خزانہ خورد برد کرنے کے الزامات کا سامنا ہے۔ اگر میاں نواز شریف کے ساتھ گئے ہوئے وی وی آئی پی ہجوم کو سرے محل میں ٹھہرا دیا جاتا تو ان کو اعتراض نہ ہوتا۔ ان پاکستانی وزراء کرام کو سرے محل میں ٹھہرنے کا پورا حق حاصل تھا کیونکہ یہ جس رقم سے خریدا گیا ہے وہ پاکستان کے سرکاری خزانے سے خورد برد کی گئی تھی لہٰذا سرے محل پاکستان گورنمنٹ کی جائیداد ہے۔ (بشکریہ پندرہ روزہ کریسنٹ' کینیڈا)

توجہ فرمائیں
قرآنی تعلیمات کو گھر گھر پہنچانے میں
پمفلٹس کی تقسیم

کے کامیاب تجربے کے بعد فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسے جاری رکھا جائے۔ ایک پمفلٹ کی طباعت پر اوسطاً 10,000 ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں اور اس رقم سے قرآن کا پیغام پانچ ہزار گھروں میں پہنچ جاتا ہے۔ احباب سے التماس ہے کہ وہ حسب استطاعت ایک ایک' دو دو پمفلٹس کی طباعت کی ذمہ داری قبول فرما کر قرآن کریم کی نشرواشاعت میں عملی طور پر شرکت فرمائیں۔

عطیات نیشنل بنک۔ مین مارکیٹ برانچ' گلبرگ 2' لاہور کے اکاؤنٹ نمبر 7-3082 یا براہ راست ادارہ طلوع اسلام لاہور کے نام ارسال فرمائیں۔ چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

سانحہ ہائے ارتحال

میجر جنرل (ر) محمد نواز ملک طویل علالت کے بعد مورخہ 27-01-99 کو صبح ساڑھے 3 بجے اپنے گھر راولپنڈی میں وفات پا گئے۔ مرحوم تحریک طلوع اسلام کے وابستگان میں سے تھے۔ پرویز صاحب کی وفات کے فوراً بعد قرآنک ایجوکیشنل سوسائٹی لاہور کے اولین چیئرمین منتخب کئے گئے تھے۔ پرویز صاحب کے شاگردوں کی طرف سے قرآن سے متعلق جو کتب اب تک شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ضخیم و بلیغ اور قرآن پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے مفید (مرحوم) کی تالیف "مشمولات قرآن عظیم" ہے۔ جو مرحوم کے اعمال حسنہ کے پلڑے کو ضرور جھکا دے گی۔ مرحوم نمائندہ بزم جناب حیات ملک صاحب کے بھائی تھے۔

نہایت دکھ کے ساتھ اس امر کی اطلاع کی جاتی ہے کہ محترم محمد اقبال صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی کی والدہ ماجدہ 2 فروری کو کراچی میں انتقال کر گئیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں مقام بلند عطا فرمائے۔ ادارہ مرحومہ کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

عبداللہ ثانی صاحب کی والدہ ماجدہ وفات پا گئی ہیں۔ ابھی وہ جواں سال بیٹے کی جدائی کا دکھ نہیں بھولے تھے کہ والدہ محترمہ بھی رحلت فرما گئیں۔ اللہ انہیں صبر جمیل عطا کرے۔ ادارہ مرحومہ کے لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

محترم منظور صاحب (ناروے) کی خوشدامن انتقال کر گئی ہیں۔ حق تعالیٰ مرحومہ کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ ادارہ پس ماندگان و لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ)

مسلمانوں کے مروج شعائر اور ہمارا مسلک

قارئینِ طلوع اسلام کی طرف سے اس قسم کے اِستفسارات اکثر موصول ہوتے رہتے ہیں کہ طلوعِ اسلام کا نماز کے متعلق کیا مسلک ہے اور کیا پرویز صاحب اس نماز کے قائل تھے جو عام مسلمانوں میں مروّج ہے؟ اس قسم کے استفسارات نتیجہ ہیں اس غوغا آرائی کا جو ہمارے خلاف عام طور پر کی جاتی رہی ہے۔ ذیل میں "طلوعِ اسلام جولائی 1980ء" کے باب المراسلات میں شائع شدہ ایک استفسار اور اس کے جواب کو من و عن پیش کیا جاتا ہے' جس سے مسلمانوں کے مروّج شعائر کے متعلق ہمارا مسلک اَظْہَرُ مِنَ الشَّمْس ہو جاتا ہے۔ (مدیر)

قارئینِ طلوع اسلام میں سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ان کا ایک دوست نماز کا پابند تھا لیکن اب اس نے یہ کہہ کر نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے کہ جب یہ نماز اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں کسی قسم کی اصلاح ہی نہیں کر سکتی تو اس کے کرتے رہنے سے حاصل کیا ہے؟

طلوعِ اسلام

آپ کے دوست کے دل میں جو خیالات ابھر رہے ہیں وہ ان میں منفرد نہیں۔ ہمارے پاس اکثر نوجوان یہی کچھ لکھتے ہوئے آتے ہیں۔ لیکن اس باب میں ہمارا مسلک--- جسے ہم شروع سے پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ ہے کہ امت اِن شعائر (نماز' روزہ' حج وغیرہ) کو جس طرح ادا کرتی چلی آرہی ہے ہمیں اس کا ساتھ دینا اور ان شعائر کو قائم رکھنا چاہئے۔ نہ انہیں چھوڑنا چاہئے اور نہ ہی ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنی چاہئے۔ ان کا اور کوئی فائدہ نہ بھی سمجھ میں آئے تو کم از کم یہ ہمارے ملی تشخص کی علامات تو ہیں اور ملت ہماری (جیسی بھی یہ ہے) اس کا تسلسل ضروری ہے۔ اس لئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ ؎

ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے' امیدِ بہار رکھ

بلکہ اس سے بھی زیادہ دلسوز انداز سے کہ

کہن شاخے کہ زیرِ سایۂ اُو پَر بر آوردی
چو بَرگش ریخت از وے آشیاں برداشتن ننگ است

آپ کے اس دوست نے اپنا نام بھی تو مسلمانوں جیسا رکھ چھوڑا ہے۔ یہ اسی لئے ہے ناں کہ ملت کے ساتھ ان کا رابطہ قائم رہے اور وہ اس کے ایک فرد سمجھے جائیں۔ ورنہ اگر وہ اپنا نام (مثلاً) رام داس رکھ لیں تو اس سے ملت کے ساتھ ان کا رابطہ کٹ جائے گا اور ان کا شمار غیر مسلم اقلیتوں میں ہو جائے گا۔ اسلامی شعائر کے ساتھ وابستگی کو انہیں (کم از کم) اتنی اہمیت تو دینی چاہئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر نعیم احمد

اقبال اور قرآن

(یہ مقالہ ایوانِ اقبال میں منعقدہ سیمینار بعنوان "اقبال اور قرآن" میں یکم نومبر 1998ء کو پڑھا گیا۔ مدیر)

قرآن حکیم کا نزول اس دور میں ہوا جب انسانیت جادوگروں، فریب کاروں اور کاہنوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی۔ فرسودہ روایات اور نسلی و قبائلی عصبیتوں پر قائم نظامہائے معاشرت اپنی افادیت کھو چکے تھے۔ ہر طرف توہمات اور خرافات کا دور دورہ تھا۔ گزشتہ انبیاء کو معجزے عطا ہوا کرتے تھے تاکہ وہ ساحروں اور کاہنوں کے دجل و فریب کا مقابلہ کر سکیں اور لوگوں کو دعوت حق دے سکیں۔ لیکن لوگوں نے پھر بھی برحق انبیاء کو جھٹلایا اور ان کی تعلیمات سے اعراض برتا۔ قرآن نے اصولی طور پر معجزوں کی حوصلہ شکنی کی اور لوگوں کو مشاہدے، تجربے اور عقلی استدلال کے ذریعہ سے دعوت حق دی۔ قرآن حکیم میں متعدد جگہوں پر مخالفین کے اس اعتراض کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر قرآن واقعی منزل من اللہ ہوتا تو اس کے ساتھ کوئی فرشتہ اترتا یا کوئی خزانہ نازل ہوتا یا رسول اللہ (ﷺ) کیلئے کوئی باغ بنا دیا جاتا جس سے آپ ﷺ رزق حاصل کرتے۔ پھر اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر ایسا ہو بھی جاتا تو یہ لوگ پھر بھی راہ راست پر نہ آتے اور نبی ﷺ کو برحق تسلیم نہ کرتے۔ خارق عادت واقعات کے مطالبے کی بجائے قرآن حکیم میں جس چیز پر زور دیا گیا ہے وہ عقل و خرد اور مشاہدہ و تجربہ کا استعمال ہے۔ لوگوں کو بجائے معجزات کا مطالبہ کرنے کے انفس و آفاق پر غور و فکر کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے قدیم اور توہم پرستانہ سماجی نظام کو ختم کر کے ایک ایسے روشن دور کا آغاز کیا جس میں بتدریج عقل و خرد اور تجربہ و مشاہدہ کو مشعل راہ بنانے کا رجحان فروغ پاتا گیا۔

معجزات و خوارق کی حوصلہ شکنی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی صورت میں ایک ایسا ابدی اور زندہ معجزہ دنیا کے سامنے رکھ دیا جس کے تہہ در تہہ اسرار و غوامض کو سمجھنے میں صدیوں سے ذہن انسانی کوشاں ہے۔

یہاں یہ موقع نہیں کہ قرآن کے اعجاز پر تفصیلی بحث کی جائے۔ صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ بلند پایہ مضامین اور نادر اسلوب کی حامل یہ کتاب ایک ایسے نبی کے قلب پر اتاری گئی جو نہ تو اس سے پہلے کچھ پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتا تھا۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (سورہ عنکبوت، آیت 48)

(قرآن سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتا تھا اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شبہ میں پڑتے)

پھر اس کتاب کی حفاظت کا ایسا سامان کیا گیا کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے باوجود اس میں ایک لفظ بلکہ ایک شوشے تک میں تبدیلی نہ ہو سکی۔ اس کی سب سے بڑی معجزنمائی یہ ہے کہ ہر عہد اور ہر دور کی انسانی بصیرت اس سے اپنی ضروریات کے مطابق استفادہ کرتی رہی ہے۔

یک ایسا مجلیٰ و مصفیٰ آئینہ ہے جس میں جھانک کر نسل اپنے عیوب و نقائص سے آگاہ ہو سکتی ہے اور اصلاح کر سکتی ہے۔ اس کا یہ چیلنج بھی ابدی ہے کہ اس کی ایک سورۃ جیسی سورۃ بنا کر دکھاؤ۔

یہ برصغیر کے مسلمانوں کی خوش بختی تھی کہ یہاں اقبال جیسا شاعر پیدا ہوا جس کے قلب و نظر میں قرآن اپنی تمام تر جامعیت کے ساتھ نفوذ کر گئی ہے۔ قرآن حکیم میں شعراء کیلئے اگرچہ کوئی اچھے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے تاہم استثنائی صورت حال ہر جگہ موجود ہوتی ہے۔ علامہ نے جہاں تک ہو سکا اپنا دامن ان الزامات سے بچائے رکھا جن کیلئے قرآن حکیم نے شاعروں کی مذمت کی ہے' بلکہ اپنی شاعری کو قرآن ہی کے ابلاغ کیلئے وقف کر دیا۔ ارادی اور شعوری طور پر انہوں نے اپنے فکر و فن کو قرآن کے ہی نام لگا رکھا تھا۔ اس معاملے میں وہ اتنے محتاط اور حساس تھے کہ اپنے آپ کو انہوں نے وہ بددعا دے ڈالی جس کو سن کر ہی ایک عام آدمی لرز اٹھتا ہے۔

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
گر بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
خشک گرداں بادہ در انگورِ من
زہر ریز اندر مئے کافورِ من
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

یعنی اگر میرا آئینہ بے جوہر ہے' اگر میرے کلام میں قرآن کے علاوہ کچھ اور بھی ہے تو میرے انگور کے بادہ کو خشک کر دے اور میری مئے کافور میں زہر گھول دے۔ جب حساب کا دن آئے تو مجھے ذلیل و خوار کر دے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے ہادیؐ برحق (ﷺ) کی قدم بوسی کی سعادت سے محروم کر دے۔ یہ الفاظ اسی انسان کے منہ سے نکل سکتے ہیں جس کے رگ و پے میں واقعی قرآن حکیم کا پیغام خون بن کر گردش کر رہا ہو اور سینے میں دل بن کر دھڑک رہا ہو۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو علامہ کی شاعری پیغمبری کا جزو معلوم ہوتی ہے۔

علامہ کو بچپن میں ہی ان کے والد بزرگوار نے تلقین کی تھی کہ قرآن کو یوں پڑھا کرو جیسے یہ تمہارے قلب پر اتر رہا ہے۔ علامہ نے اپنے چھٹے خطبے میں ایک صوفی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

"No understanding of the Holy Book is possible untill it is actually revealed to the believer just as it was revealed to the Prophet (peace be upon him)."

یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ کیا نبی ﷺ کے بعد کسی نے قرآن حکیم کو سمجھا ہی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن فہمی کا جو مقام صاحب وحی ﷺ کا تھا اس تک تو ظاہر ہے کہ کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا۔ لیکن مندرجہ بالا قول نقل کرنے سے علامہ کا منشاء ہرگز یہ نہ تھا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں۔ علامہ کا اصل منشاء یہ تھا کہ قرات قرآن کے وقت اسوہ رسول ﷺ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ قرآن اگرچہ آپ ﷺ پر نازل ہوا' لیکن جب بھی آپ ﷺ اس کی تلاوت فرماتے آپ ﷺ کی حالت خوف الٰہی سے متغیر ہو جاتی۔ آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور حضور حق میں قیام و سجود کرتے قدموں پر ورم پڑ جاتا۔ بعض اوقات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے اور روتے جاتے۔

آدمی کچھ کر لے اپنا کلام پڑھتے ہوئے اس پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن اگرچہ آپ ﷺ ہی کے توسط سے دنیا میں آیا' لیکن یہ آپ ﷺ کا اپنا کلام ہرگز نہ تھا بلکہ کلام الٰہی تھا۔ اب یہ فطری امر ہے کہ ملاء اعلیٰ سے رابطہ قائم ہوتے ہی بندے

کی سرشت میں جو ملکوتی صفات ودیعت کی گئی ہیں ان میں تحریک پیدا ہو اور وہ اس کی حیوانی صفات سے متعارض و متصادم ہو جائیں۔ اس طرح روح میں صفات ملکوتی کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ مادی روابط سے کٹ کر عالم بالا کی طرف راغب ہوتی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ میں کلام الٰہی سے ایسے آثار و علائم پیدا ہوتے تھے جو عام زندگی میں نہیں ہوتے تھے۔ اسی طرح خشیت الٰہی کا غلبہ آپ ﷺ کے صحابہؓ پر بھی ہوتا' لیکن آپ ﷺ کے مرتبہ و مقام کی مناسبت سے آپ ﷺ پر بہت زیادہ ہوتا۔ آپ ﷺ کے تضرع کو دیکھ کر لوگ رحم کھاتے تو آپ ﷺ فرماتے اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا" کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ علامہ کا بھی یہی خیال ہے کہ بندے پر قرات قرآن کرتے ہوئے ملکوتی صفات کا غلبہ ہونا چاہئے اور اس کی روح کو ملاء اعلیٰ کی طرف کھنچنا چاہئے۔ دیگر معاملات کی طرح اس معاملے میں بھی اگر اسوہ رسول ﷺ کا اتباع کیا جائے تو قرآن فہمی کیلئے بہت مفید ہے اگرچہ یہ اتباع کم ترین درجے کا ہی ہو۔ مختصراً" یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح فہم قرآن کیلئے ضروری ہے کہ اس کا قاری ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے خود کو حضور حق میں پیش کرے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ یہ ھُدًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے۔

علامہ کے نزدیک قرآن حکیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر خدا اور کائنات سے اپنے مختلف النوع روابط و علائق کا بلند ترین شعور پیدا ہو۔

"The main purpose of the Quran is to awaken in man the higher Consciousness of his manifold relation with God and the Universe." (Reconstruction p.7)

علامہ کہتے ہیں کہ قرآن حکیم محض قانونی احکام ہی کی ایک کتاب نہیں بلکہ اس میں بلند پایہ روحانی زندگی کیلئے راہنمائی بھی موجود ہے۔ یہودیت میں اوامر و نواہی پر اس قدر زور دیا گیا تھا کہ یہ محض قانونی قواعد و ضوابط کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی جس میں انسان کی روحانی زندگی کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اس کے رد عمل میں عیسائیت کا فروغ ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے عیسائیت کی روحانی تعلیمات کو پسند کیا لیکن عیسائیت بھی دراصل یہودیت کے خلاف رد عمل کے طور پر ابھری تھی۔ چنانچہ یہ دوسری انتہا پر چلی گئی اور اس میں روحانیت پر اتنا زور دیا گیا کہ انسان کا دنیا سے رشتہ منقطع ہو گیا۔ عیسائیت باوجود اپنی مقبولیت کے انسان کو دنیا اور امور دنیا سے نہ جوڑ سکی۔ اس کے برعکس قرآن نے ایک طرف انسان کی روحانی تربیت کر کے اس کا رشتہ خدا سے جوڑا تو دوسری طرف دنیا اور امور دنیا کے ساتھ بھی اس کا تعلق پائیدار بنیادوں پر استوار کیا۔ قرآن نے دین اور دنیا' روحانیت اور مادیت' مذہب اور ریاست کی تخصیص و تفریق ختم کر دی اور انسان کو ایک ایسا بلند ترین شعور بخشا جس میں اس کا اپنا عرفان ذات ایک گہرے دنیاوی ادراک اور الوہی وجدان کے ساتھ گھلا ملا تھا۔ علامہ کہتے ہیں قرآن حکیم کے علاوہ جس کتاب میں خدا اور کائنات سے انسان کے گوناگوں روابط کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے' وہ افلاطون کی جمہوریہ (Republic) ہے۔ اس میں بھی فرد کی روحانی اور مادی زندگی میں توازن و ارتباط پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ افلاطون کی جمہوریہ ایک فلسفی کی فکری کاوش کا نتیجہ تھی۔ اس لئے یہ اپنے تمام تر محاسن کے باوجود ایک "یوٹوپیا" کی حد سے آگے نہ بڑھ سکی اور صرف کتب خانوں کی زینت بن کر رہ گئی۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کلام الٰہی ہے' اس لئے اس نے نہ صرف صدر اسلام کا صالح معاشرہ تشکیل دیا بلکہ یہ صدیوں سے ایک زندہ و جاوید سرچشمہ ہدایت کی حیثیت سے تشنہ ارواح کو بھی سیراب کر رہا ہے۔

غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ تین ایسے بنیادی

ں ہیں جن سے قرآن حکیم نے تعرض کیا ہے۔ یہ ہیں انسان اور کائنات۔ بار بار خدا کی وحدانیت اور اس صفات کا ذکر کر کے قرآن نے انسانی ذہن میں ایک ایسے خدا کا تصور راسخ کرنے کی سعی کی ہے جو اس کی جاں سے بھی نزدیک تر ہے اور اس کے افعال و ال سے گہرا رشتہ رکھتا ہے۔ کائنات کے بارے میں فرمایا یہ کہ اسے بے کار اور بلا مقصد پیدا نہیں کیا گیا بلکہ یہ اپنے اندر ایک گہری مقصدیت رکھتی ہے۔ اسی طرح انسان کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ اس کائنات میں خدا کی یابت کر رہا ہے۔

علامہ نے اپنے خطبات کا آغاز ہی انہی سوالات سے کیا ہے۔ چنانچہ علامہ کی تمام شعری اور نثری تحریریں انہی سوالات کے محور پر گھومتی ہیں۔ کوئی شخص ان کی تشریحات و تعبیرات سے اختلاف کر سکتا ہے' لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علامہ نے اپنے فکر و فن کو صرف اور صرف قرآن حکیم کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ حکمت قرآنی ان کے قلب و نظر میں پوری طرح رچ بس چکی تھی۔ انہوں نے جدید علوم کا جس قدر حصول کیا اسے قرآن کی کسوٹی پر پرکھا۔ اس طرح ان کا عصری شعور قرآنی بصیرت کے پس منظر میں قلب ماہیت کے عمل سے گزرا۔ اس کے نتیجے میں انہیں قرآن کے اسرار و حکم کی ایک ایسی بصیرت ملی جو عہد جدید کے فکری تقاضوں سے ہم آہنگ تھی۔ اس بصیرت کو انہوں فلسفہ و سائنس کی اصطلاحات میں اپنے مشہور خطبات مدارس میں پیش کیا ہے اور اسی بصیرت کا فیض اپنی دل پذیر شاعری کی صورت میں بھی عام کیا ہے۔

ذیل میں ہم علامہ کی اس بصیرت کے اہم خدوخال کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے قرآن سے حاصل کی اور جسے انہوں نے عصر حاضر کے تناظر میں پیش کیا۔

علامہ وجود باری کے اثبات کیلئے روایتی فلسفہ و کلام کے دلائل کو ناکافی قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تجربہ (Experience) ہی وہ راستہ ہے جو خدا تک ہماری راہنمائی کر سکتا ہے۔ تجربہ تین سطحوں پر اپنا اظہار کرتا ہے مادے کی سطح' حیات کی سطح اور شعور کی سطح۔ ان سطحوں سے تین علوم بحث کرتے ہیں' یعنی طبعیات' حیاتیات اور نفسیات' علامہ ان تینوں علوم کی جدید ترین تحقیقات سے استفادہ کرتے ہیں۔ جدید طبیعاتی تحقیقات کی رو سے مادے کا روایتی تصور ختم ہو گیا ہے اور اب یہ ٹھوس جامد اور غیر متحرک عناصر کا ڈھیر نہیں رہا بلکہ باہم گر مربوط حوادث (Interrelated events) کا ایک نظام بن گیا ہے۔ وہائٹ ہیڈ کہتا ہے کہ ہمیں کائنات کو ٹھوس اور جامد اجرام کا مجموعہ نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اسے ایک عمل (Process) سمجھنا چاہئے۔

حیات کی سطح پر علامہ کو برگسان کی یہ تحقیق بڑی پسند آئی کہ حیات دراصل ایک ایسی ارتقائی حرکت ہے جو وفور تخلیق میں سرشار نت نئی شکلوں میں اپنا اظہار کر رہی ہے۔ اس تخلیقی حرکت میں ماضی کٹ کر پیچھے نہیں رہ جاتا بلکہ حال کے لمحے میں سمٹ آتا ہے۔ اسی طرح مستقبل پہلے سے کھنچے ہوئے خط کی طرح نہیں بلکہ ایک کھلے امکان (Possibility) کی طرح اس کے سامنے موجود ہے۔ جسم اور جسمانی اعضاء کی حیثیت ایسے آلات کی سی ہے جن کے ذریعہ سے حیات اپنا لامتناہی سفر جاری رکھتی ہے۔ ولیم جیمز نے نفس اور شعور کی حقیقت پر قابل قدر تحقیقات پیش کیں اور بتایا کہ انسانی شخصیت عواطف (Sentiments) کے ایک نظام سے تشکیل پاتی ہے۔ عواطف کے اس نظام میں ادعائے ذات (Self-regard) کا عاطفہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی کے گرد دیگر عواطف مجتمع اور منظم ہو کر انسانی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں۔ جس میں شعور کی حیثیت اس قندیل کی سی ہے جس نے اس پورے نظام کو منور کر رکھا ہے۔

یوں علامہ حقیقت مطلقہ کو ایک ایسی انا یا خودی (Ego) تصور کرتے ہیں جو یکتا اور بے مثال ہے اور جس میں مادہ، حیات اور شعور غیر منفصل طور پر گھلے ملے ہوئے ہیں۔ مادی کائنات کو علامہ کوئی ایسی شئے نہیں سمجھتے جسے خدا نے عدم سے تخلیق کیا اور خود اس سے علیحدہ ہے۔ مادی کائنات دراصل اللہ کی عادت یا سنت ہے۔ انائے مطلق حی و قیوم اور توالد و تناسل سے ماوراء ایک ایسی وحدت ہے جو اپنی داخلی غایات کی تکمیل میں مصروف ہے۔ چنانچہ اقبال کا خدا یونانیوں کے خدا کی طرح جامد اور غیر حرکت پذیر نہیں، بلکہ اپنی تکمیل ذات کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ تاہم وہ مجبور نہیں بلکہ **کلیتہ**" آزاد اور خود مختار ہے۔ علامہ کہتے ہیں کہ اس انائے مطلق سے مختلف درجوں کی اناؤں کا ایک عالم کثرت یوں وجود پذیر ہوتا ہے جیسے کوئی سبک رو ندی آبشار کی صورت میں لاتعداد قطروں میں منقسم ہو جائے۔ پورا عالم اناؤں کی بستی (Colony of Egos) ہے۔ اناؤں کا کمترین درجہ جمادات ہیں۔ شعور ذات کی بلندی کی مناسبت سے نباتات و حیوانات کے درجے بلند ہیں۔ انسان کا درجہ ان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ انسانی انا حیات الٰہیہ کے سیلان میں یوں وجود پذیر ہوتی ہے جیسے قطرہ آب صدف میں ٹپکنے کے بعد موتی بن جاتا ہے۔ وجود میں آجانے کے اپنے **مآخذ** سے مختلف اور منفرد ہو جاتی ہے، تاہم زندگی حیات **الٰہیہ** کے سیلان میں ہی بسر کرتی ہے۔ اگرچہ ایک زمانی نقطہ آغاز ہے، لیکن یہ فنا نا آشنا ہے بقائے دوام کی حامل ہے۔ انسانی انا کا سفر دو سمتوں جاری رہتا ہے۔ نفس فعال (Efficient Self) کی پر جہاں یہ مادی ماحول سے نبرد آزما ہوتی ہے اور نفس (Appreciative Self) کی سطح پر جہاں کہ یہ اپنے **مآخذ** یعنی حیاتِ **الٰہیہ** سے مربوط و متحد ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے علامہ کے اس فلسفے کے بنیادی خدوخال کا تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے اپنے مطالعہ قرآن اور جدید سائنسی تحقیقات کی بنیاد پر تیار کیا تھا۔ اس فلسفے کا آہنگ ہمیں ان کی شعری و نثری تحریروں میں سنائی دیتا ہے۔ یہ فلسفہ حرکت و عمل اور رجاء و امید کا فلسفہ ہے۔ اس کی رو سے تمام کائنات ایک ایسا عمل (Process) ہے جو خدا کے انکشاف ذات کا غماز ہے۔ علامہ کہتے ہیں کہ خدا اپنے عظیم الشان منصوبوں کی تکمیل میں مصروفِ عمل ہے اور انسان اس الوہی عمل میں خدا کا شریک کار (Co-worker) ہے۔

اعتذار

جنوری 1999ء کے طلوع اسلام میں "کھلا خط کے نام سے چھپنے والے آرٹیکل میں محترم پرویز صاحب کے حوالہ سے یہ جملہ کہ ﴿آپ سنی العقیدہ حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے﴾ سہوا" شائع ہو گیا تھا۔ درحقیقت فاضل مضمون نگار (جیسا کہ پرویز صاحب نے تصوف کی حقیقت کے دیباچے میں لکھا ہے) بیان یہ کرنا چاہتے تھے کہ پرویز صاحب سنی العقیدہ، حنفی المسلک گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس نادانستہ سہو پر ہم قارئین طلوع اسلام سے معذرت طلب ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرتضیٰ عادل

ٹیڑھا راستہ

جونہی ہم دونوں نے دربار کے آنگن میں قدم رکھا، میرا ساتھی پرجوش پکارا۔ "یاعلی مدد!"

"پیر مولا علی مدد!" صحن میں چلتے پھرتے درویش نے جواباً نعرہ لگایا۔

میرا ساتھی اظہار عقیدت کیلئے اپنے پیر بھائی کی طرف بڑھا اور اس کے گھٹنے جا چھوئے۔

درویش نے اسے اٹھا کر گلے لگا لیا۔ پیر بھائی سے مل کر وہ دیدار مرشد کی کسک میں بعجلت صحن کی دائیں جانب بنے حجرے کی جانب چل دیا۔ میں بھی دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے پیچھے حجرے کے دروازے میں جا کھڑا ہوا۔ مرشد چٹائی پر آلتی پالتی مارے چرس بھرے سگریٹ کے لانبے لانبے کش لگانے میں مشغول تھا۔

مرید، مرشد کے حضور سربسجود اور میں دم بخود محو نظارہ تھا۔

رہ رہ کر یہ خیال میرے ذہن کو کچوکے لگا رہا تھا کہ یہ کافرانہ قدریں کیا ہیں اور خرقہ پوشوں کے ہاں اسلامی کے وہ دعوے کیا ہوئے؟

سائیں جی نے مجھے متذبذب دیکھ کر مراقبے (ارتکاز خیال) سے میرے ذہنی انتشار چڑھاؤ۔۔۔ احساسات و خیالات سے آگہی پائی اور مرید کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے میری طرف دیکھ کر زیر لب بولے۔

"جب رام اور رحیم ایک ہی ذات کے دو نام ہیں تو کفر اور اسلام میں کیا فرق اور کعبہ و بت خانہ میں تفریق کیسی بابا لوکا۔۔۔۔؟"

بابا جی کے ان الفاظ نے میرا قرار لوٹ لیا تھا لہٰذا میں لوگوں کے بقول اس پہنچی ہوئی ہستی کے ان الفاظ کو غور و فکر کی کسوٹی پر جانچتا پرکھتا منزل مطلوب کی طرف روانہ تھا۔ وہ زیر لب گنگناتا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

اہل طریقت وحدت الوجود (ہر میں ہر) کے پرچارک ہیں۔ ان کا ضابطہ کائنات کے وجود کو ویاوہارک (بظاہر مشہود مگر بباطن معدوم۔۔۔ فریب نظر) بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ وجود مطلق (خدا) واحد ہے۔ اسی وجود واحد (خدا) نے جب تعینات کا لباس زیب تن کیا تو اس کا نام عالم موجودات (کائنات) ہوا۔ اس لئے حق تعالیٰ اور اس کی مخلوقات میں باعتبار حقیقت و ماہیت کوئی فرق نہیں۔ فرق جو کچھ ہے وہ اشکال و صور اور احکام و آثار کے اعتبار سے ہے۔

بہ الفاظ دیگر کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے۔

"خدا ہی ہر شے ہے اور ہر شے ہی خدا ہے"۔ اس نے دھیرے سے کہا پھر بولا۔

"چاند، سورج، سیارے، برق و رعد، ستارے، انسان و حیوان خدا کی نباتات و معدنیات تک میں وہی وہ ہے۔"

حاضرین مجلس میں سے ایک شخص بے ساختہ بولا۔
"بیشک۔۔۔! قوس قزح کے رنگوں میں، شفق کی سرخی میں، گلاب کی خوشبو میں، دریا کی روانی میں، بلبل کی نغمہ سرائی میں، صحرا کی وسعت میں، پہاڑ کی رفعت میں، بچے کی معصومیت میں، جواں مرد کی طاقت میں، عورت کی نزاکت میں، محب کے نیاز میں، محبوب کے ناز میں، کوئل کی کوک میں، عاشق کی ہوک میں، معشوق کے تبسم میں، اور کس کی جھلکار ہے؟" اس نے استفسار کیا اور جواب کا انتظار کئے بغیر کہہ اٹھا۔ "ہر سو خدا ہی تو ہے"۔ "آپ جسے جنیدی پیغام سمجھے ہیں، وہ اپنشدوں اور گیتا کے شبدوں میں دراوڑوں کے قدیم ترین مذہب آتما پرماتما دھرم کی نظریاتی تشریح ہے۔ جو قدیم ترین ہونے کے حوالے سے دنیا کا پہلا مذہب کہلانے کا مستحق ہے۔ (1,2)

جس کے نظریات اور لائحہ عمل تقریباً" چار ہزار سال گزرنے کے باوجود آج بھی مستعمل و رائج ہیں۔ اس کی نظریاتی اساس مابعد الطبعیات اور پیرا سائیکالوجی پر ہے۔

وحدت الوجود کے مقلدین اپنی عملی زندگی کی شروعات کسی ماہر یوگا کی خدمات کے حصول سے کرتے ہیں۔ اہل تصوف اسے مرشد کے نام سے یاد کرتے ہیں جو انہیں شعور و تحت شعور کی پراسرار اور مخفی قوتوں کو مسخر کرنے کا فن یا کرتب (یوگا) سکھاتا ہے۔

یوگا کا ابتدائیہ مراقبہ (ارتکاز توجہ، استغراق) کی مشقیں اور چلے ہیں۔ یوگ ابھیاس سے حاصل شدہ علم۔۔۔ ادراک ماورائے حواس (تصوف کی اصطلاح میں علم باطن یا علم لدنی) کہلاتا ہے۔

"پاتن جلی" اور "یوگ سوتر" ہندو رشیوں کی تحریر کردہ دو مشہور و معروف (ہندی تصوف کے اصول و ضوابط کی نقیب) قدیم کتابیں ہیں۔

"علم باطن اور خدا شناسی کو دنیا والے لازم و ملزوم سمجھتے ہیں"۔ معترض بولا۔

"کسی فن یا کرتب کے اکتساب کا خدا شناسی سے کیا تعلق؟ اس نے جواب دیا اور کہا۔ "خدا شناسی تو جادہ حق کا انعام ٹھہری جبکہ ارباب تصوف ہر دم اس خالق وحدہ لا شریک کو چھوڑ کر اس کی تخلیق کردہ موجودات کی پرستش میں جٹے رہتے ہیں"۔

"جملہ کائناتی وجودات میں اس یگانہ ویکتا (خدا) ہی کا جزو ہونے کے باعث موجودات کی پرستش اسی (خدا) کی پرستش نہ ہوئی"۔ معترض بولا۔

اس نے جوابا" کہا۔

"اگر مظاہر و موجودات کی پرستش خالق کی پرستش ہوتی تو قرآن حکیم مشرکین کو مخاطب کر کے یہ نہ کہتا۔

"سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں بنایا ہے" (حم السجدہ : 37)

قرآن حکیم بنی آدم سے یہ سوال بھی کرتا ہے۔

"کیا تمہیں یہ بات نہیں معلوم کی آسمانوں اور زمین میں جو وجود بھی ہے۔ سب اس کے سامنے سرنیاز جھکاتے ہیں (یعنی مطیع ہیں) سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی (اسی کی اطاعت کرتے ہیں) اور بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جو (عدم انقیاد کی وجہ سے) مستحق عذاب ہیں"۔ (حج : 18)

"تخلیق کائنات سے پہلے وہ ذات بے نام و نشاں اکیلی و تنہا تھی۔ سنسار کی تمام موجودات پھر کہاں سے آئیں؟" معترض نے سوال کیا اور جواب کا انتظار کئے بغیر کہنے لگا۔ "تمام اجرام فلکی و اجسام ارضی کا صدور اسی سے ہوا ہے۔ ہر شے اسی سے نکلی ہے اور بعد از فنا اسی میں واپس چلی جاتی ہے۔ (3)

وہ کائنات کے ہر ہر ذرے میں جاری و ساری سریانی) (4)--- پنہاں و عیاں ہے" (7)

وہ بلا تامل بول رہا تھا' ذرا جھجک کر زیر لب منمنایا۔ "حتیٰ کہ انسان تک میں پنہاں ہے۔"

"کیونکہ آپ کے عقیدے کی رو سے وہ (خدا) کائناتی موجودات و مظاہر کا عین ہے یعنی ارض و سما کے ہر وجود حتیٰ کہ انسانوں اور نجس جانوروں تک میں حلول کئے ہوئے ہے---- عقیدہ حلول تو کفر پر مبنی ٹھہرا!"

"کفر و اسلام ایک ہی مسلک کے دو نام ہیں جناب!" معترض بولا۔

اس نے جواباً کہا۔ "کفر اور اسلام اگر ایک ہی دستور ہے تو تمام انبیاءؑ کی اقوام اپنے نبیوں سے اور اہل قریش خاتم النبین محمد ﷺ سے برسرپیکار کیوں رہے؟" معترض کی خامشی پر اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "کیونکہ تمہارا ضابطہ کفر سے عبارت ہے اس لئے تم کفر و اسلام ایک ہے کا شور مچاتے ہو۔"

"درحقیقت تمہارے ضابطے کی عمارت بھی دراوڑازم کی باقیات پر کھڑی ہے۔ جس پر فراعنہ مصر اور قرامطیوں نے اپنے مذاہب کی نیو رکھی تھی اور جنہیں اپنا کر ہندو دانشوروں نے مقدس آسمانی وید تالیف کئے۔

یعقوبیوں نے اتحاد خاص کا نظریہ فراعنہ مصر سے اپنایا اور نسطوری عیسائی یعقوبیوں سے تاثر قبول کر کے حلول خاص پر کاربند ہوئے۔ (5)

ازاں بعد مظہر حلول و اتحاد' اقانیم ثلاثہ' باپ بیٹا اور روح القدس نیقیہ کی کونسل کے فیصلے سے الوہیت سے ہمکنار ہوئے۔ (6) گویا اراکین نیقیہ وٹرنٹ کونسل نے اللہ کے دین کی درمیانی کڑی کی تعلیمات حلول و اتحاد سے بدل کر عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو کفر و الحاد کے سمندر میں ڈبو دیا۔" وہ دم بھر کو ذرا رکا تو معترض بول اٹھا۔

"لاہوت کے آدم و عیسیٰ کے ناسوتی جسد میں ملاپ کے تصور کی سب سے پہلے تصویر کشی منصور حلاج۔"! وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے پھر سے گویا ہوا۔

"قرامطیوں کی تحریک کے سرگرم رکن--- شیطان و فرعون کی شاگردی کے دعوے دار حسین منصور حلاج نے کئی صدیاں پہلے لاہوت (خدا کی ذات) کے ناسوتی لبادے (انسانی صورت) میں آدم و ابن مریم کے تصوراتی ملاپ کو اپنے اشعار کا موضوع بنایا۔ (7) اس نے یہ اصطلاح سریانی نصرانیت سے لی تھی۔ بعد ازیں امام وحدت الوجود نے کفر و الحاد کے ویدانتی عقیدے کو اس منطقی استدلال سے پیش کیا کہ اللہ وجود کائنات کا عین ہے (8)

کتاب مبین نے صدہا سال پیشتر دو ٹوک الفاظ میں یہ واضح کر دیا تھا۔

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (کائنات کا) کمال مہربان (مقتدر اعلیٰ) عرش پر متمکن ہے۔ (9)

"بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (ادوار) میں بنایا اور پھر عرش پر متمکن ہو گیا۔ (10)

ثابت یہ ہوا کہ خالق کل اپنی وسیع و عریض لامتناہی تخلیق (کائنات) سے باعتبار ذات ماوراء ہے لیکن باعتبار علم و قدرت اس میں موجود ہے کیونکہ تخلیق کار باعتبار ذات کبھی اپنی تخلیق میں موجود نہیں ہوتا بلکہ یہ تخلیق اپنے خالق کے وجود پر دلالت اور اس کی صفت علم و کمال کی عکاسی کیا کرتی ہے۔"

"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ"۔ (11) کی قرآنی آیت سے بھی کیا خدا کی بذات خود ہمارے اندر

موجودگی ثابت نہیں؟" معترض نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"تمہارا قبیل اپنے نظریئے (وحدت الوجود) کی حمایت میں جو قرآنی آیت بھی پیش کرتا ہے وہ بالعموم پوری نہیں ہوتی بلکہ اس کا صرف وہ ٹکڑا پیش کرتا ہے جو تمہارے مدعا کے مطابق ہو۔ آیت مذکور سے بھی یہی سلوک کیا گیا ہے۔

انسانی ذہن کی رسائی منشاء الٰہی تک تبھی ممکن ہے جب قرآنی آیات کا مطالعہ نظم کلام کی روشنی میں کیا جائے۔

ماقبل کی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

ہم نے انسان کو بنایا ہے اور ہم اس کے نفس کی وسوسہ اندازیوں کو خوب جانتے ہیں۔ (12)

پھر آیت متذکرہ ہے۔

ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ (13)

اور مابعد کی آیت ہے

جب وہ اخذ کرنے والے (فرشتے) اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں جانب بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ (انسان) کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا کہ (اس کو محفوظ کرنے کیلئے) اس کے پاس ہی ایک نگران حاضر رہتا ہے۔ (14)

اگر اللہ تعالیٰ بذات خود بندے کے اندر موجود ہوتا تو پھر دو نگران فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ کا علم بندوں کے اقوال و افعال کا احاطہ کرنے کیلئے کافی تھا لیکن روز جزا و سزا کے اتمام حجت کیلئے تحریری ریکارڈ بھی تیار کروایا جا رہا ہے تاکہ مجرم و سرکش کیلئے کسی طرح کے اعتذار کی گنجائش باقی نہ رہے لیکن صوفیا تو جزا و سزا اور جنت و دوزخ کے سرے ہی سے منکر ہیں"۔

"ابد کو اس واجب الوجود سے خروج کردہ یہ کارگہ عالم سمٹ کر پھر سے اس میں سما جائیگی تو وجود مطلق (خدا) روز ازل سے پہلے کی طرح اکیلا و تنہا ہو جائے گا۔ (18) ایسے میں محاسبے یعنی جزا و سزا اور اس کے بدلے جنت دوزخ کا تصور ہی عبث ہے۔"

معترض جواباً" دھیرے سے بولا اور چپ سادھ لی۔

محفل کی فضا پر سکوت ہو گئی۔ اس نے اعتراض کا مزید کچھ دیر انتظار کیا پھر اصل کتھا چھوہ لی۔

ہاں تو۔۔۔! سوچ بچار کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ میں گام بہ گام منزل کے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ معاً" سوچ کا دھارا اس طرف پلٹا کہ دنیا بھر کے محققین اس بات پر یک زبان ہیں کہ جملہ مذاہب عالم کے تصوف کی عمارتیں دراوڑازم کی جزئیات اور عقائد (آتک آئیڈیالوجی) پر احاطہ تحریر میں لائے ہوئے ہندو مت کے نام نہاد آسمانی ویدوں پر استوار ہیں۔ اسی لئے اسلام کے لبادے میں ہندو میتھالوجی کے پیروکاران کے استاد (15) ویدوں کے شبدوں سے عربی میں ترجمہ کئے ہوئے (اسلام کے متوازی کلمے) "لاموجود الا اللہ" (16) کو اپنا کلمہ قرار دیتے ہیں اور تلامیذ خود کو اس کے ورد کی تلقین کرتے ہیں۔

کفر و الحاد سے عبارت حلول و اتحاد کے طاغوتی نظریہ وحدت الوجود کو اگر صحیح مان لیا جائے تو کائناتی موجودات چاند' سورج' سیاروں' ستاروں' حیوان و انسان' نباتات و معدنیات کی پرستش ہی جائز ثابت نہیں ہوتی بلکہ فرعون کا "انا ربکم الاعلیٰ" (17) اور حسین بن منصور حلاج کا "انا الحق" (18) کہنا روا نیز دیگر تمام دعویٰ داران خدائی حق بجانب قرار پاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی وحدت معبودیت و حاکمیت کی تبلیغ نہ صرف غلط ثابت ہوتی ہے بلکہ دین حنیف کے آفاقی آئین (کتاب مبین) کی تعلیمات ہی سرے سے غیر موثر

ہو جاتی ہے۔

بدیں وجہ قرآن حکیم اس طاغوتی مفروضے سے پیدا شدہ جملہ کلیات و جزئیات کی نفی کر کے کائنات کو برحق اور اس کی تمام موجودات کو مخلوقات خالق مطلق قرار دیتے ہوئے ان کے مابین عبد و معبود کے تعلق کی نشان دہی کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ کائنات کی تمام مخلوقات کی اپنے وحدہ لاشریک خالق سے تباین کی نسبت ہے نہ کہ تساوی کی' چنانچہ کلہم مخلوقات اپنے پالن ہار اور ناظم و حاکم مطلق اللہ جل شانہ' کے حضور صبح شام سجدہ کناں ہیں۔ اس سے یہ مفروضہ بالکل غلط ثابت ہوتا ہے کہ وید اور قرآن ایک ہی ضابطہ حیات ہیں۔

جب رام اور رحیم کا دھرم اور دین باہم متضاد ہے
تو رام اور رحیم ایک کیسے ہوئے؟

غور و تامل کی انہی چڑھتی اترتی لہروں کے دوش پر' میں لحہ بہ لحہ منزل مطلوب کے قریب تر ہوتا گیا حتیٰ کہ جب میں اپنے مسکن کے بالمقابل جا پہنچا تو آخری ضرب جو میرے دل نے سوال کی صورت میں لگائی وہ یہ تھی کہ نام نہاد اسلامی تصوف کی بنیاد بھی جب دوسرے مذاہب کے تصوف کی طرح ویدانتی اور نو فلاطونی افکار ہی پر ہے تو یہ صراط مستقیم (19) ہوا یا ٹیڑھا راستہ؟ (20)

استفہامیہ لہجے میں وہ بولا اور خامشی اختیار کر لی۔

---

(1) دراوڑازم کے آتما پر ماتما دھرم (ارواح پرستی' روحانیات) سے ماخذ عقیدہ وحدت الوجود جو اپنشدوں کی بنیاد ہے۔
(2) تعلیمات جنید بغدادی مزید دیکھیں آتمک دھرم (آتما پرماتما دھرم) کی شارح گیتا۔
(3) بحوالہ انڈین فلاسفی (مصنفہ ڈاکٹر رادھا کرشن' جلد 1' صفحہ 164- مزید دیکھیں۔ دی انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن (بحوالہ تیتریا اپنشد جلد 15' صفحہ 207)' (4) پرستھان پریا (ہندی تصوف کی تینوں کتابیں--- اپنشد' یوگ سوترا اور گیتا)
(5) حقیقت مذہب اتحادئین (مصنفہ امام ابن تیمیہ' صفحہ 25-24)' (6) نیقیہ وٹرنٹ کونسل (علی ترتیب 325 عیسوی و سولھویں صدی عیسوی)
ن دو کونسلوں کے فیصلوں سے عیسائیت کے اصول مذہب یہ قرار پائے۔
ہم ایمان لائے۔ خدا قدرت والے باپ پر جو ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا خالق ہے اور رب یسوع مسیح ابن اللہ پر جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہے جو باپ (خدا) کے ہاں جملہ کائنات سے پہلے پیدا ہوا۔ عین ذات ہے الٰہ الٰہ ہے' نور نور ہے' عین خدا ہے۔ مولود مولود ہے مخلوق نہیں۔ باپ اور اس کا جوہر ایک ہے۔ اس کی وساطت سے تخلیق اشیاء ظہور میں آئی یعنی جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے ہم انسانوں کی نجات کے واسطے اس کا نزول و حلول ہوا اور وہ انسان بن کر آیا۔ مبتلائے بلا ہوا اور تیسرے دن اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر چڑھ گیا اور اب زندوں اور مردوں کا انصاف کرنے پھر آئے گا"۔ (کونسل آف وٹرنٹ' صفحہ 161.
(7) کتاب الطواسین--- مصنفہ حسین بن منصور حلاج (8) فصوص الحکم------ محی الدین ابن عربی
(9) قرآن حکیم------ سورۃ طٰہٰ' (10) قرآن حکیم------ سورۃ اعراف 54
(11) قرآن حکیم----- ق 16' (12) قرآن حکیم---- ق 16
(13) قرآن حکیم---- ق 18-17' (14) تیتریا اپشند بحوالہ انڈین فلاسفی (مصنفہ ڈاکٹر رادہا کرشن جلد 1' صفحہ 164 مزید دیکھیں دی انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن (جلد 15' صفحہ 207)' (15) ابن عربی ساڈا اے استاد' خواجہ (بابا) فرید
(16) امام وحدت الوجود ابن عربی کے بقول صوفیائے کرام کا کلمہ "لا الہ الا اللہ" نہیں بلکہ "لا موجود الا اللہ" ہے (دیکھیو فصوص الحکم) اور یہ ویدوں کے ماخذ "ایکم ستہ دویتوناستی" کے سنسکرت الفاظ کا عربی ترجمہ ہے۔
(17) قرآن حکیم سے ماخوذ فرعون کا دعوے ربوبیت۔' (18) پتن جلی کے ویدانتی نعرے "اہم برہم اسمی (میں ہی برہمہ' خدا' خالق مطلق ہوں) کو دھراتے ہوئے منصور حلاج نے انہی الفاظ میں "انا الحق" کا نعرہ لگایا کہ۔
میں حق ہوں' الحق الخلاق یعنی خالق مطلق--- خدا 'The Creative Truth. (19) سیدھا راستہ۔

محترم پرویز صاحبؒ کا نہایت حقیقت کشا مقالہ

حسن کردار کا نقش تابندہ

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی عظمت کردار اور رعنائی سیرت کی

چند جھلکیاں

جن کے بل بوتے پر انہوں نے بے تیغ و سناں چومکھی لڑائی لڑ کر ایک عظیم مملکت حاصل کر لی۔

اس کے ساتھ علامہ پرویزؒ کے دو مقالات۔

☆ کیا قائد اعظمؒ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

اور

☆ دو قومی نظریہ' اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی نگاہوں میں۔

جن کی اہمیت عنوانات سے عیاں ہے

تینوں مقالات کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

بڑی پر از معلومات کتاب ہے

قیمت (علاوہ ڈاک' پیکنگ خرچ) Rs. 50

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد (فلوریڈا)

خدا نے کہا

فلسفیوں کا ایک جھگڑا اتنا ہی پرانا ہے جتنی انسانی تاریخ "خدا نے انسان کو پیدا کیا یا انسان نے خدا (کے تصور) کو؟"

God Created Man Or Man Created God?

صاحبو! ہمیں تو یہ سوال ایسا ہی لگتا ہے جیسے کوئی پوچھے' نان بائی نے روٹی پکائی یا روٹی نے نان بائی کو پکایا؟ دہریوں کی کج بحثی کے جواب میں علامہ اقبالؒ نے بڑا ہی حرف آخر قسم کا شعر فرما دیا تھا:

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

آج کی ڈاک میں ہمیں "جنک میل" Junk Mail کا جو حصہ ملا ہے اس میں ایک خط اس کمپنی کا بھی ہے "جس نے ہماری کار بنائی"۔ (ایک سروے کے مطابق امریکہ میں 47 فی صد ڈاک ایسی ہوتی ہے جسے لوگ بغیر دیکھے ردی کی نذر کر دیتے ہیں اور ایک عام امریکی کی زندگی کے چھ مہینے ڈاک دیکھتے گزر جاتے ہیں) خیر! کار والی کمپنی نے لکھا تھا "اجنبیوں کے پاس مت جایئے' آپ کی کار کو ہم سے بہتر کوئی نہیں جانتا!"

صاحبو! انسان کو اور اس کے مسائل کو بھی اس سے بہتر کوئی نہیں جانتا جس نے انسان کو بنایا۔ لیکن سانحہ یہ ہوا کہ انسان نے اپنے خالق کو جانا ہی نہیں' پہچانا ہی نہیں۔ پھر وہ اپنے مسائل کا حل مختلف فلسفوں اور "ازموں" میں ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوا۔ وہ اپنی کار کو ٹھیک کرانے تانگے کی دکان پر لے گیا!

خدا نے فرمایا' میں تمہارا خالق ہوں' تمہارے قریب ہوں۔ بندے نے اسے "اوپر والا" سمجھ کر آسمان پر بٹھا دیا۔ اسے چشم دل سے بھی خدا نظر نہ آسکا۔

ایک بچے کو اسکول میں بلیک بورڈ دکھائی نہ دیتا تھا۔ والدین اسے آنکھوں کے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ بچے کی نظر تو بالکل ٹھیک ہے۔ والدین نے ڈانٹا تو بچہ معصومیت سے بولا "میرے سامنے ایک بڑا بچہ جو بیٹھ جاتا ہے!"

بندے کی بصیرت کو بھی خدا اس لئے دکھائی نہیں دیتا کہ بندے کی "انا" یا جہالت یا "عقل" اس کے اور خدا کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ اس کی عقل کو سب سے بڑی چوٹ اندھی تقلید' جھوٹی عقیدت اور عدم تدبر سے لگتی ہے۔

دیکھئے کہ خدا نے فرمایا' میری ہی عبادت کرو۔ یعنی میرے احکام کی پیروی کرو' میری اطاعت کرو' میرے سوا تمہارا کوئی آقا نہ ہو۔ بندے نے عبادت کو "پرستش" تک محدود کر لیا۔ پوجا پاٹ کرنے لگا!

خدا نے حکم دیا "صلوٰۃ قائم کرو" (**اقیمو الصلوٰۃ**) بندے نے اس کا مفہوم نماز پڑھنے تک محدود کر لیا۔ نماز پڑھنا تو اقامت صلوٰۃ کا محض ایک گوشہ تھا!

خدا نے فرمایا' میری ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ بندے نے زبان سے کہا لا الہ الا اللہ اور دل سے اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کا غلام ہو گیا۔ دولت کا پجاری ہو گیا۔ کسی نے لکشمی دیوی کی مورتی بنا کر اسے پوجا اور کسی نے تجوریوں میں بند کر کے۔ کسی نے اپنی عقل کو خدا بنا لیا' کسی نے جذبات کو۔ بزرگ اور صوفی خدا ہو گئے۔ قبروں' مزاروں اور خانقاہوں کے مٹی پتھر مرادیں پوری کرنے لگے۔ فوت شدہ پیروں کی کرامتیں خدائی اصولوں سے لڑ گئیں۔ خزانے' "پتر اور ویر" وہ لوگ دینے لگے جو گزر چکے تھے اور جن کے بارے میں خدا نے فرما دیا تھا کہ یہ لوگ تو تمہاری بات سن ہی نہیں سکتے!

خدا نے فرمایا' رزق کے سرچشموں کو خلق خدا سے مت روکو۔ بندہ اپنے لئے ہی نہیں' اپنی نسلوں کے لئے بھی مال جمع کرنے لگا۔

خدا نے کہا' مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں ہیں۔ بندوں نے اپنی دنیا میں عورت کو داسی بنا لیا یا پھر حسن کی دیوی!

خدا نے فرمایا' سب انسان برابر ہیں اور برتری کا معیار انسان کا کردار ہے۔ بندے نے دولت اور رنگ و نسل کی بنیاد پر بنی نوع انسان کی تقسیم کر ڈالی!

خدا نے فرمایا' بادشاہ صرف میں ہوں۔ غضب ہے صاحبو! کہ انسان نے انسان کو بادشاہ ہی نہیں بادشاہوں کا بادشاہ "شہنشاہ" بنا ڈالا!

خدا نے فرمایا' سب زمین اللہ کی زمین ہے۔ بندہ جاگیردار' زمیندار' وڈیرہ بن بیٹھا!

خدا نے کہا' اے بنی نوع انسان! میری کتاب قرآن ہے۔ بندے نے کہا نہیں میری کتاب تو وہ تفسیریں ہیں جو سینکڑوں برس بعد "امام" لکھ گئے! میری کتابیں تو مسلمانوں کی وہ روایتی تاریخیں ہیں جو سینکڑوں برس بعد لکھی گئیں۔

خدا نے کہا' دیکھو متحد رہنا' فرقہ آرائی نہ کرنا۔ بندوں نے مذہبی' سماجی' سیاسی' جغرافیائی' نسلی' لسانی پارٹیاں بنا ڈالیں۔

خدا نے کہا' نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں تمہاری فلاح ہے۔ بندے نے درود شریف پڑھ کر سمجھا کہ رحمت للعالمینؐ کی رحمتوں کا حق ادا ہو گیا!

خدا نے فرمایا' آخرت پر ایمان رکھنا۔ بندے نے کہا اچھا۔ اور دل میں سوچا جب قیامت ہو گی تو دیکھا جائے گا۔ کلمہ پڑھ کر جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔

خدا نے فرمایا' والدین سے حسن سلوک کرنا۔ بندے نے انہیں چیک بھیج دیا۔

خدا نے کہا' بچوں کی تربیت اچھی کرنا۔ بندہ انہیں فلم دکھانے لے گیا' ڈزنی ورلڈ کی سیر کرا لایا۔

خدا نے حکم دیا' مجھے یاد کرتے رہنا یعنی ہر کام میں میری رضا اور میرے احکام کو پیش نظر رکھنا۔ بندہ تسبیح گھمانے لگا!

حکم ہوا طیب گوشت کھانا۔ بندہ غیبت کر کے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے لگا۔ خدا نے فرمایا' اپنے بے نکاح لوگوں کا نکاح کر دیا کرو۔ بندہ اس چکر میں پڑ گیا کہ "لوگ کیا کہیں گے!"

خدا نے فرمایا' ڈرنا تو مجھی سے ڈرنا! بندہ اپنے

افسر سے' کاروباری گھاٹے سے' نوکری سے' حاکم وقت سے اور "لوگ کیا کہیں گے!" سے ڈرنے لگا۔

خدا نے کہا' مجھی سے مدد طلب کرنا۔ بندہ انسانوں کے آستانوں پر سر جھکانے لگا۔

خداوند نے فرمایا' دیکھو میرے کلام حکیم پر غور وتدبر کرتے رہنا۔ بندہ کہنے لگا' اگلے وقتوں کے لوگ سارا تدبر کر گئے۔ پھر وہ "تلاوت" کرنے لگا۔ قرآن' جس میں اسے اپنی زندگی ختم کرنی تھی اس قرآن کو "ختم" کرنا بندے نے اپنا شعار بنا لیا۔ سمجھنے کو بے کار یا کٹھن سمجھ کر "قرآن خوانی" پر مطمئن ہو گیا!

خدا نے سادگی کا حکم دیا۔ بندے نے دکھاوے اور تکبر کے گرد اپنی زندگی کا تانا بانا بن لیا!

خدا نے حکم دیا' اٹھ! میری راہ میں جہاد کر۔ بندہ خانقاہ یا گھر کے کونے میں بیٹھ کر "اللہ ھو" کرنے لگا!

خدا نے پاک دامنی کی تلقین کی۔ بندے نے "حلالے" جیسی شرمناک رسم ایجاد کر ڈالی!

خدا نے بندے کو عمل کی توفیق بخشی۔ بندے نے خود کو مقدر کا غلام بنا لیا۔

خدا نے تربیتی کورس کے طور پر صوم فرض ٹھہرایا۔ بندے نے روٹی پانی چھوڑ کر "روزہ" رکھنا کافی سمجھ لیا۔

صوم میں نفسانی خواہشات اور جھوٹ اور غیبت سے بھی بچنا تھا لیکن بندہ بولا "دیکھو سکندر خان اور شہناز نے روزہ نہ رکھا اور افطاری پر پہنچ گئے!"

بندے پر احکام خداوندی کا احترام لازم تھا' وہ محض روزے کا احترام کرنے لگا!

خدا نے ایمان' صلوٰۃ' زکوٰۃ' صوم اور حج کو دین کے ستون قرار دیا تاکہ ان پر دین کی عمارت تعمیر کی جائے۔ بندہ زندگی بھر ستونوں کے پھیرے لگاتا رہا!

خدا نے فرمایا "قل العفو" یعنی جو مال ضرورت سے زیادہ ہو اسے خرچ کرو (میری راہ میں) بندے نے کہا نہیں! میں ڈھائی فی صد دے کر اپنے سارے مال کو پاک کر لوں گا! (پھر دیا ڈھائی فی صد بھی نہیں!)

خدا نے بنی نوع انسان کے اتحاد کے لئے حج فرض ٹھہرایا' بندہ وہاں سے آب زم زم لے کر آگیا۔

اور صاحبو! جب اپنے خالق کی مسلسل نافرمانیوں کے سبب اور اس کے احکام کی بے عمل اور بے روح تاویلیں کرنے کے باعث صورت حال یہ ہو گئی کہ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

تو بندے کی زندگی کی کار' چکڑا بن گئی۔ وہ اس چکڑا نما کار کو پھر بھی خالق کے ورکشاپ (حکمت قرآن) میں نہ لایا' اسے تانگے کی دکان پر لے گیا۔ کار ٹھیک ہونے کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے اس کی زندگی کی شام ہو گئی' پھر سرد رات میں بندہ انتظار کرتے کرتے خالق کی بارگاہ جا پہنچا! (ماخوذ)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

عمر رسیدگی کا ایک المیہ یہ بھی ہوتا ہے کہ پرانے ساتھی اکثر داغ مفارقت دیتے چلے جاتے ہیں اور اس طرح زندہ رہنے والوں کی فہرست محدود ہوتی چلی جاتی ہے۔ سادگی، محبت اور خلوص کی پیکر، فکر قرآنی کی شیدائی محترمہ ملیحہ جمال کا نام تحریک طلوع اسلام سے تعلق رکھنے والوں کے لئے نہ نیا ہے نہ اجنبی۔ پرویز صاحب کا درس قرآن ہو، یا وابستگان فکر قرآنی کی کوئی محفل، یہ کبھی نہ ہوا کہ قرآن سینے سے لگائے محترمہ ملیحہ جمال اس میں موجود نہ ہو۔ درس ختم ہوتا تو ایک ایک کا حال پوچھتیں۔ نظر کمزور ہو چکی تھی لیکن پھر بھی از خود پہچاننے کی کوشش کرتیں "ارے آپ تو میرے فلاں ہیں ناں؟"۔ ابتدائی تعلیم علی گڑھ سے حاصل کی، اردو فاضل کیا۔ ایک نومسلم کشمیری برہمن سے شادی کی اور پچاس کے عشرے میں پرویز صاحب سے بنفس نفیس کسب علم کا آغاز ہوا تو پرویز صاحب کی وفات تک جاری رہا۔ ازدواجی زندگی مثالی رہی کہ قرآن کا اعجاز یہی ہے کہ وہ پیکران آب و گل کو قلب انسانیت میں ڈھال دیتا ہے۔

ہر چند کہ ہماری اس محترمہ بہن کا جسد عنصری فیصل ٹاؤن کے قبرستان میں آسودہ خاک ہے مگر ہمارے دلوں میں آج بھی زندہ ہے۔ ہم سب کی دعا ہے کہ قرآن کا خالق، قرآن کی اس شیدائی کو، قرآن کی جنت میں شاداں و فرحاں رکھے اور ان کے پسماندگان کو جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے۔

(مدیر)

صاحب قلم توجہ فرمائیں

(1) مضمون خوشخط اور ایک لائن چھوڑ کر تحریر کریں۔

(2) کاغذ کا استعمال ایک طرف سے کریں۔

(3) مضمون نگار اپنا نام اور پتہ صاف صاف تحریر کریں۔

(4) قرآن و حدیث کا حوالہ وضاحت کے ساتھ رقم کریں۔

(5) عربی متن پر اعراب ضرور لگائیں۔

(6) نامانوس اسمائے معرفہ کو رومن حروف میں بھی تحریر کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

پارلیمنٹ پر اٹھنے والے اخراجات

"پارلیمنٹ کے ایک دن کے اجلاس پر نصف ملین (پانچ لاکھ) روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ رقم خرچ کر کے بھی کسی ایوان کا اجلاس معقول وقت کے لئے منعقد نہ ہو سکے یا منعقد تو ہو' لیکن اس میں قانون سازی وغیرہ کا کوئی قابل ذکر کام نہ ہو تو بھی وہ نشست باضابطہ شمار ہو جاتی ہے اور ارکان کو جملہ الاؤنس وغیرہ مل جاتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے ہر رکن کو 17,600 روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ جس روز اجلاس ہو اس روز 1100 روپے الاؤنس ملتا ہے۔ بجٹ سیشن کے دوران الاؤنس دگنا ہوتا ہے۔ ہر رکن پارلیمنٹ کو (اندرون ملک) ہوائی سفر کے 9 فری ٹکٹ ملتے ہیں۔ طبی امداد نہ صرف متعلقہ رکن کو بلکہ اس کے پورے خاندان کو فری ملتی ہے۔ وہ ٹی اے' ڈی اے کا حق دار بھی ہوتا ہے۔ جب کسی ایوان کا اجلاس شروع ہو تو اس سے دو دن پہلے اور اجلاس کے ملتوی ہونے کے تین دن بعد بھی ہر رکن کو پورا ذیلی الاؤنس دیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کا ہفتہ پانچ دن کا شمار ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ مسلسل بھی اجلاس جاری رکھے تو ہفتے میں پانچ دن نشست ہوتی ہے۔ لیکن یہ سات ورکنگ یوم شمار ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ٹیکنیکی طور پر قومی اسمبلی 130 دن کے اجلاس پورے کر لیتی ہے لیکن حقیقتاً اس کے اجلاس اس سے کچھ کم بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً" 87-1986 میں سینٹ نے 90 دن پورے کئے لیکن حقیقتاً" اس کی نشستیں صرف 49 ہوئیں۔ 89-88ء میں اس نے فنی طور پر 92 نشستیں کیں۔ لیکن حقیقتاً" صرف 152 اجلاس ہوئے۔ تمام سالوں کا تناسب قریب قریب اسی طرح رہا۔ 86-1985ء میں قومی اسمبلی نے 160 ورکنگ یوم کام کیا۔ لیکن اصل نشستیں صرف 104 تھیں۔ اگلے سال 160 ورکنگ یوم شمار ہوئے۔ اصل نشستیں صرف 102 تھیں۔ 88-1987ء میں 149 ورکنگ یوم شمار ہوئے۔ اصل نشستیں صرف 103 تھیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ تمام سالوں کا اوسط قریب قریب ایسا ہی تھا۔ سوائے بعض مستثنیات کے۔ حکومت نے ارکان پارلیمنٹ کے لئے اسلام آباد میں ایک ارب روپے کی لاگت سے رہائشی لاجز بنائیں۔ جو انہیں الاٹ کی گئیں۔ ان سے فی لاج 6000 روپیہ ماہانہ کرایہ وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک موقر انگریزی معاصر کے رپورٹر کے اندازے کے مطابق لاجز میں دستیاب سہولتوں کی وجہ سے منڈی کے معیار پر ان کا کرایہ 20 ہزار روپے ماہانہ ہونا چاہئے۔ لیکن قومی نمائندوں کو یہ لاجز رعایتی نرخ پر دیئے گئے ہیں۔ وزراء اور پارلیمانی سیکریٹریوں پر اٹھنے والے اخراجات ان کے علاوہ ہیں۔ (کالم' حرف تمنا' روزنامہ جنگ لاہور۔ 24 جنوری 1999ء)

طلوع اسلام : پارلیمنٹ کے علاوہ چاروں صوبائی

اسمبلیوں، وزراء، پارلیمانی سیکریٹریوں اور قائد حزب اختلاف کو ملنے والے خصوصی الاؤنسز کی تفصیل اس قدر ہوش ربا ہے کہ آدمی سن کر ورطہ حیرت میں آجاتا ہے۔

دوسری جانب "رعایا" کی حالت یہ ہے کہ قریباً آدھی آبادی جھونپڑیوں میں رہتی ہے۔ انہیں مکان تک میسر نہیں۔ کتنے مریض ہیں جو بے علاج مر جاتے ہیں کتنے لوگ ہیں جن کے بچے ان کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں لیکن ان کے پاس دوائی خریدنے کیلئے چار پیسے نہیں ہوتے۔ کتنے بچے ہیں جو اسکولوں میں جگہ نہ ہونے کے سبب گلیوں میں آوارہ پھرتے رہتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو فیس اور کتابوں کیلئے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے ان پڑھ اور جاہل رہ جاتے ہیں۔ کتنی جوان لڑکیاں اس لیے گھروں میں بیٹھی ہیں کہ ان کے ماں باپ کے پاس اتنا نہیں کہ وہ انہیں گھر سے باعزت اٹھا سکیں۔

قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ "تم یتیموں کے مال کا نہایت دیانت داری سے انتظام کرو اگر تم ضرورت مند نہیں تو اس خدمت کے معاوضہ میں کچھ نہ لو لیکن اگر تم خود صاحب احتیاج ہو تو اس کے عوض قاعدہ اور قانون کے مطابق تھوڑا بہت لے سکتے ہو" (4:6) جب کہ حضرت عمرؓ نے اپنے وظیفہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ: "اللہ کا مال میرے لیے یتیم کے مال کی طرح ہے اگر ضرورت نہیں ہوتی تو اسے ہاتھ تک نہیں لگاتا اور حاجت مند ہوتا ہوں تو بقدر احتیاج لے لیتا ہوں"۔

THE BEST INVESTMENT

Pamphleteering has proved to be the best way of spreading Quranic knowledge. One pamphlet of average size cost Rs 10,000 and with it you can illuminate *5000* homes with Quranic wisdom. Lovers of Quran are invited to invest liberally. They can deposit their shares of money in Account NO. 3082-7 National Bank of Pakistan Main Market Branch, Gulberg, Lahore or directly in the office of Idara Tolu-e-Islam.

Chairman
Idara Tolu-e-Islam

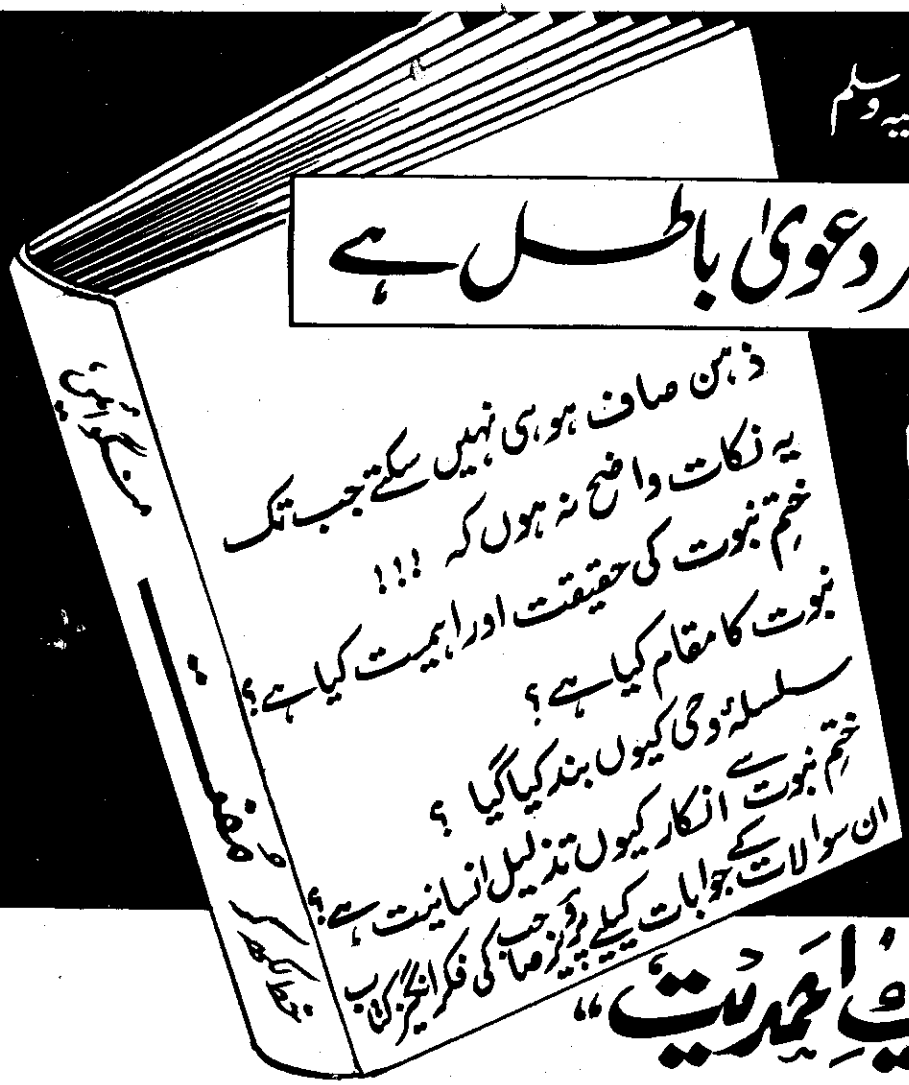

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے
مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے
ذہن صاف ہو ہی نہیں سکتے جب تک
یہ نکات واضح نہ ہوں کہ !!!
ختم نبوت کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟
نبوت کا مقام کیا ہے ؟
سلسلۂ وحی کیوں بند کیا گیا ؟
ختم نبوت سے انکار کیوں تذلیل انسانیت ہے؟
ان سوالات کے جوابات کیلئے پرویز صاحب کی فکر انگیز کتاب
خط لکھ کر
مفت
منگوائیں
"ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت"
طلوع اسلام ٹرسٹ 25-B گلبرگ II لاہور 54660 فیکس نمبر 042-5866617

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقد و نظر

کتاب کا نام : حضورؐ بطور سپہ سالار
مصنف : لیفٹیننٹ کرنل محمد ایوب خاں (ریٹائرڈ)
شائع کنندگان : ادارہ اشاعت القرآن
کیولری گراؤنڈ' لاہور کینٹ
قیمت : =/20 روپے

جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کے حصول کیلئے مسلسل جدوجہد کرنا۔ ایمان اس مقصد کو متعین کرتا ہے جو مومن کا منتہائے نگاہ قرار پاتا ہے اور عمل صالح اس جدوجہد کا نام ہے جو اس مقصد کے حصول کیلئے کی جائے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو اسلام اور جہاد اور مومن اور مجاہد مرادف الفاظ ہیں۔ اسلام نام ہی یقین محکم اور عمل پیہم کا ہے اور اسی کو جہاد کہا جاتا ہے۔ یعنی مسلسل حرکت' پیہم سعی و عمل' لگاتار کوشش اور مدام جدوجہد۔

جہاد' زندگی کے ہر گوشے میں مسلسل جدوجہد کا نام ہے لیکن اس جدوجہد کا آخری گوشہ وہ ہوتا ہے جہاں ایک مرد مومن' اپنے بلند و بالا مقصد کے حصول کیلئے سربکف میدان جنگ میں آجاتا ہے۔ اس مرحلہ کیلئے قرآن نے قتال کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قتال' جہاد کے ایک گوشے کا نام ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ قتال' جہاد کے سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔

محولہ بالا کتاب کا موضوع جہاد کے اسی گوشے سے متعلق ہے جس میں جہاد کے متعلق توضیحی لیکچرز کے علاوہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے غزوات و مہمات میں سپاہ سالارانہ اوصاف کو نہایت سلیس شستہ اور رواں زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب دراصل ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ ہے۔ یہ تقاریر مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع اور پراثر ہیں۔

کتاب کا نام : النبی الامی بہ حیثیت معلم العالمین
مولف : منظور احمد
طباعت : فضلی سنز' اردو بازار' کراچی
صفحات : 80
قیمت : =/25 روپے

تالیف کا عنوان ہی اپنے موضوع کی غمازی کر رہا ہے۔ جناب منظور احمد نے اپنی اس تالیف میں اس بات کی

ہے کہ عربی میں لفظ امی مجازاً" و اصطلاحاً" تو "ان پڑھ" کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن اصل معنی کے اعتبار امی کا مطلب یہ نہیں اور قرآن پاک میں بھی آپؐ کو نبی الامی' "ام القرا" یعنی مکہ سے نسبت کے حوالے گیا ہے اور اہل عرب کو اہل کتاب کے مقابلے میں امیین کہا گیا ہے۔

اس نتیجہ کا بنیادی مضمون "نبی امی بہ حیثیت معلم عالمین" ہے' بعدازاں "انسان کی تخلیق اور اس کے ارتقائی مراحل" کے عنوان سے ایک اقتباس "مفہوم القرآن و لغات القرآن" سے درج کیا گیا ہے لیکن اس کی نشاندہی نہیں کی گئی کہ اقتباس کہاں سے شروع ہو رہا ہے اور کہاں پہ ختم ہوتا ہے۔ جس کے سبب مولف کا یہ تبصرہ بھی اقتباس کا حصہ معلوم ہوتا ہے کہ "ان حقائق" کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا دشوار نہ ہو گا کہ حضور اکرمؐ پہلے ہی سے (نزول وحی سے) لکھنا پڑھنا جانتے تھے"۔ حالانکہ پرویزؒ صاحب نے یہ الفاظ کہیں نہیں لکھے۔ یہ غلط فہمی رفع کرنے کیلئے ذیل میں معراج انسانیت کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضور ان پڑھ تھے۔ اس کے لیے سند یہ پیش کی جاتی ہے کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ آپؐ "امیوں" میں سے تھے یا "نبی امی" تھے۔ لیکن ان مقامات میں امی کے معنی ان پڑھ نہیں۔ عرب میں ایک آبادی ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی تھی جن کا دعویٰ تھا کہ ان کے پاس آسمانی کتابیں ہیں۔ قرآن نے انہیں اہل کتاب کہہ کر پکارا ہے۔ دوسری آبادی ان (قریش وغیرہ) کی تھی جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی نہیں تھے۔ انہیں "امی" کہا جاتا تھا۔ چونکہ حضورؐ کا پیدائشی تعلق اس گروہ سے تھا' اس لیے آپؐ بھی امی کہلاتے تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپؐ نبوت سے پہلے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے' لیکن اس کی شہادت خود قرآن کریم میں موجود ہے کہ نبوت کے بعد ایسی صورت نہیں تھی۔ سورہ عنکبوت میں ہے۔ **وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ**..... (29:48)- تو اس (نبوت ملنے) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتا تھا اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے کچھ لکھتا تھا"۔ **من قبلہ** (اس سے پہلے) کی تخصیص' اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ نبوت کے بعد یہ کیفیت نہیں رہی تھی۔ ویسے بھی آپ سوچئے کہ جس ذاتؐ اعلم الناس کا اپنے متبعین کو ارشاد ہو کہ "علم حاصل کرنا ہر مسلم مرد اور مسلم عورت پر فرض ہے" اور تحصیل علم کی تاکید یہ کہہ کر فرما دی کہ "علم حاصل کرو' خواہ اس کے لیے تمہیں چین تک بھی کیوں نہ جانا پڑے"' کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ وہ خود ان پڑھ رہے' بالخصوص جبکہ اس کے ذمے نہ صرف لاکھوں انسانوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ہو' بلکہ ایک وسیع و عریض مملکت کا انتظام و انصرام بھی ہو۔"

نیز سورہ عنکبوت کی آیت 48 کا مفہوم دیکھئے۔

"..... اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو نہ کوئی کتاب پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتا تھا اگر تو نزول قرآن سے پہلے' کچھ لکھنا پڑھنا جانتا تو ان لوگوں کو جو اسے باطل قرار دے رہے ہیں۔ شک گزر سکتا تھا کہ تم نے اسے خود ہی وضع کر لیا ہے"۔ (مفہوم القرآن' ص 923-922)

اگر اقتباس درج کرنے کے ساتھ (Inverted Commas) کا استعمال کیا جاتا تو اس اشتباہ کا احتمال نہ رہتا۔

پاکستان میں
علامہ غلام احمد پرویز
کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1- اسلام آباد	برمکان 302 سٹریٹ 57 - سیکٹر F11/4		
	رابطہ: جناب انعام الحق ملک صاحب فون: 290900		
2- ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کیہال۔ رابطہ: گل بہار صاحب	بروز منگل	4 بجے شام
3- ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کیہال۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین	ہر روز	عندالطلب
4- اوکاڑہ	برمکان احمد علی 180-A شادمان کالونی	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
	رابطہ: شیخ احسان الحق فون: 520258/520270		
5- بوریوالا	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر5	پہلا اور تیسرا اتوار	10 بجے صبح
	رابطہ: فون: 55438		
6- بوریوالا	رہائش گاہ ڈاکٹر محمد اسلم نوید فون: 54590	دوسرا اور چوتھا جمعہ	ساڑھے 3 بجے
7- بوریوالا	رابطہ محمد اسلم صابر۔ فون 55438	یکم اکتوبر سے	روزانہ بعد نماز مغرب
8- بہاولپور	ریحان چپل سٹور مچھلی بازار رابطہ: بشیر احمد فون 876785	جمعۃ المبارک	2 بجے بعد دوپہر
9- پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار۔	ہر بدھ وجمعہ	5 بجے شام
	رابطہ فون: 840945		
10- پشاور	اکبر پورہ۔ محلہ گڑھی زرداد	بروز ہفتہ	8 بجے شام
	رابطہ: محترم لیاقت علی طاہر فون: 2970190		
11- پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
12- پیر محل	مکان نمبر 140/139- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا اتوار	9 بجے صبح
13- پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
14- جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی۔ ٹی روڈ	اتوار	9 بجے صبح
15- جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
16- چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر ہٹہ بازار	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
17- چک 215 ای۔ بی	شاہین پٹرولیم' اڈا کوارٹر	اتوار	9 بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
18- حیدر آباد	محترم ایاز حسین انصاری B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر رابطہ فون۔ 654906	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
19- راولپنڈی	فرسٹ فلور' کمرہ نمبر 114' فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک رابطہ۔ چوہدری نثار احمد۔ فون: 051-74752-542985	جمعۃ المبارک اتوار	4 بجے شام 4 بجے شام
20- سرگودھا	60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ۔ رابطہ فون: 720083	جمعہ	5 بجے شام
21- سرگودھا	4-B گلی نمبر 7 بلاک 21 نزد مکی مسجد چاندنی چوک رابطہ: ملک محمد اقبال فون (711233)	منگل	7 بجے شام
22- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون: 720096	ہر جمعۃ المبارک	3.30 بجے شام
23- کراچی	کراچی سی بریز' روم نمبر 105 شارع فیصل رابطہ کرنل خان ادیب احمد۔ فون: 4550546-4558498	اتوار جمعہ	9.30 بجے صبح 5 بجے شام
24- کراچی	ڈبل سٹوری نمبر 16 گلشن مارکیٹ' C/36 ایریا کورنگی 5 رابطہ محمد سرور' فون: 312631-5046409 درس کے علاوہ بھی لائبریری کھلی رہتی ہے۔	اتوار بروز جمعہ	9.30 بجے صبح بعد نماز مغرب
25- کراچی صدر	ہوٹل جبیس ہال۔ عبداللہ ہارون روڈ کراچی رابطہ: محمد اقبال' فون 5892083	اتوار	10 بجے صبح
26- کوہاٹ	برمکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	اتوار	8 بجے صبح
27- کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ فون: 825736	اتوار	4 بجے شام
28- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
29- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 شام
30- گھوئیکی' سیالکوٹ	برمکان محمد حسین گھمن	ہر ماہ پہلا اتوار	صبح 9 بجے
31- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	اتوار	9:30 بجے صبح
32- لاڑکانہ	برمکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ مسجد محلہ جاڑل شاہ رابطہ فون: 42714	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
33- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعہ	4 تا 5 بجے شام
34- مامون کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب رابطہ فون: 04610-345	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ

شہر	مقام	دن	وقت
35- منگورہ سوات	ڈیرہ اقبال ادریس' عقب مہران ہوٹل گرین چوک فون: 710917	ہر جمعہ	بعد نماز جمعہ
36- نواں کلی' صوابی	رابطہ سید الطاف حسین ٹیچر	اتوار	صبح 10 بجے
37- رانی پور	اوطاق ڈاکٹر سلیم سومرو سومرو محلہ رابطہ شفیع محمد سومرو	جمعۃ المبارک	بعد نماز عشاء
38- واہ کینٹ	برمکان چوہدری محمد اشرف 18/9/1293	بروز بدھ	بعد نماز عصر
39- میانوالی	برمکان حاجی اعظم خان وانڈھی گھنڈ والی فون: 33647	اتوار	صبح 9 بجے
40- عارف والہ	ڈاکٹر ارشاد احمد دانش' کلینک چک نمبر 117/EB	دوسری' چوتھی جمعرات	بعد نماز عشاء

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔ تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔ جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

اپیل

اگرچہ کراچی شہر کو تحریک طلوع اسلام کا اولین گہوارا ہونے کا شرف حاصل ہے اور اہالیان کراچی درس قرآن کی اس روائت کو جس کی طرح علامہ غلام احمد پرویزؒ نے ڈالی تھی' اسی طرح قائم رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اتنی بڑی آبادی والے اس مالدار شہر میں کوئی مستقل قرآنی درسگاہ آج تک قائم نہیں کی جا سکی لہذا قرآنی فکر سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے اپیل ہے کہ وہ جس قدر جلد ہو سکے ہماری مالی معاونت فرما کر کراچی میں مستقل قرآنی درسگاہ قائم کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ عطیات بزم طلوع اسلام کراچی (صدر) اکاؤنٹ 1-60299' حبیب بینک لمیٹڈ (کورنگی روڈ برانچ (1910) فیز II۔ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی کے نام ارسال فرمائیں۔

بزم طلوع اسلام کراچی (صدر)

example, if the paired palatine shelves reach the midline before a certain day of development they fuse to form the secondary palate. After that day the shelves are too widely separated ever to fuse, thus cleft palate. Inherited factors might include velocity of growth, size of mandible and tongue, and rapidity of palatine migration. All would be expected to influence fusion or lack thereof.

(vi) Conclusion.

In closing, I think it is self-evident that the writings of the Qur'an and the Hadiths cited above were recorded centuries before modern science elucidated the principles of human genetics, specifically the multifaceted nature of its control in development. Certainly, knowledge at the time of these writings could not have been obtained from existing scientific information. This was, in fact, not evident until 13 centuries later. It follows, I think, that there is no conflict between genetics and religion. That there exist statements in the Qur'an, shown centuries later to be valid, would support knowledge in the Qur'an having been derived from God.

Table 1

*Relationship between number of genes and number of genotype classes**

No. of Genes	Classes of Individuals	No. of
1 (A,a)	AA, Aa, aa	3
2 (A, a; B, b)	AABB, AABb, AAbb AaBB, AaBb, Aabb aaBB, aaBb, aabb	9
n		n 3

* A and a represent alleles at one locus, B and b at another. If one gene controls the presence or absence of a given trait, the population consists of three genotypes; if two genes control a trait, the population consists of nine genotypes. If there are more than two alleles at a given locus, the number of genotypes would increase.

Simpson, J.L.: Disorders of sexual differentiation: Etiology and Clinical Delineation. New York, Academic Press, 1976.

For All Publications of Allama Parwez and recorded lectures on Quran
Please contact:
TOLU-E-ISLAM TRUST
25-B,Gulberg 2 Lahore-Pakistan.
Current Account No. 4107-35
Main Gulberg Branch
Habib Bank Limited
Lahore
Phone: 5753666 - 5764484
Fax: 092-42-5764484
Email: trust@toluislam.com
Internet: http://www.toluislam.com

The logical explanation for familial resemblance is that a single trait is influence by several genes. To illustrate the basis of polygenic inheritance, let us consider the progressively increasing number of genotypes whenever more that one gene influences a single characteristic. Suppose only one gene controls a trait and that this gene has two alleles. If the frequency of allele A equals the frequency of allele a, 25% of the population is AA ($p = q = 0.5$; $p2 = q2 = 0.25$), 25% is aa, and 50% is Aa ($2pq=0.50$). Now, suppose that not one but two genes influence the trait not only A but a second locus where alleles B and b exist. Nine genotypes are now possible: AABB, AABb, AAbb, AaBB, AaBb, aaBB, aaBb, aabb. The population will contain nine distinct classes of individuals if A,B,a and b all exert dissimnilar influences (SLIDE - Table 1).

If one represents histographically the proportion of individuals in each genotypic class, a normal distribution will be approximated as more and more genotypes become possible. Continuous variation will soon be approximated. As the number of genes controlling a trait increases, the number of genotypic classes increases even more. (SLIDE) Figure 1 shows the histolographic representation for one gene having two alleles. If two genes exist, each with two alleles, we have seen that there will be nine classes and thus nine histographic bars.

A trait controlled by more than one gene is said to be inherited in polygenic fashion. Although the term polygenic inheritance is often used synonymously with continuous variation, the latter may also result from other mechanisms, namely, a single locus influences by environmental factors. If environmental as well as genetic factors influence a trait, the term multifactorial is used. Polygenic and multifactorial inheritance usually cannot be distinguished from one another in humans, although comparisons between monozygotic and dizygotic twins theoretically permit such a distinction. Polygenic/multifactorial inheritance is invoked to explain the inheritance of normal anatomic and physiologic variables that display continuous variation - height, skin, color, hair color, blood pressure, age of menarche, ability to metabolize a given drug or toxin.

(v) Polygenic/Multifactorial Inheritance as an Explanation for Birth Defects.

Polygenic inheritance, per se, cannot explain presence or absence of anomalies (discontinuous variation). In discontinuous variation the population consists of two discrete groups, one affected (e.g., cleft palate) and one unaffected. That is, either one has cleft palate or one does not. There is no continuum in the population. To explain such dichotomy (discontinuity) on a polygenic basis, one must additionally postulate a threshold beyond which the accrued genetic liability for developing a specific trait becomes so great that a malformation is manifested. (SLIDE - Fig.) Phenotypically normal parents delivered of a child with a polygenic trait (anomaly) are assumed to have genetic liabilities nearer the threshold than most other individuals in the general population. This model is especially reasonable biologically if "liability" reflects rate of embryonic growth. Growth occurring too slowly could preclude a key embryonic step being accomplished by a certain crucial time, thus leading to anomalous development. For

that the expressivity of dominant genes is not determined until the time of conception, for not until then is presence or absence of modifying genes determined.

A specific example is derived from sex differentiation which becomes programmed during nutfah, but manifested only later in gestation. Both female and male gametes contribute to the sex chromosomes, consistent with the Qur'anic phrase (SLIDE), "and He created both male and female from the gametes which is ejaculated and planned".

(iii) Different Mendelian Mechanisms.

The plural nature of "amshaj" further agrees with existence of different genetic mechanism, even within the single category of single gene (Mendelian) mutations. There are references in the Hadith to several different specific single gene mechanisms, namely both recessive and dominant inheritance. (Slide Enumerating Genetic Mechanisms)

A potential allusion to recessive inheritance would appear to exist in the Hadith. (SLIDE - Camel Hadith) My translation is "A man came to the Prophet (peace be upon him) and said, 'A black child has been born for me.' The Prophet (peace be upon him) asked, 'Have you any camels?' The man said, 'Yes.' The Prophet (peace be upon him) asked, 'What color are they?' The man replied, 'Red.' 'Is there a grey one among them?' The man replied, 'Yes.' 'Whence come that?' He said, 'Maybe it is because of heredity.' 'Maybe this son of yours has this color because of heredity."

If there is a genetic explanation for this, clearly the appropriate mechanism would be autosomal recessive inheritance. Finally, allusions exist as well to dominant factors. In the Hadith it is written, (SLIDE) "Oh, Allah, make us enjoy our hearing, our vision, our strength, as long as we live, and make it our inheritor." The choice of the word "inheritor" supports dominance, inasmuch as the word confers subject. By contrast, using the word inherited would have conferred the connotation of being an object.

(iv) Polygenic Inheritance.

We now know that most normal variation is due to polygenic inheritance, by definition multifaceted and plural in nature. Neither chromosomal nor Mendelian mechanism can readily explain the genetics of normal anatomic and physiologic variations (e.g. stature). On the other hand, the tendency of relatives to resemble one another in physical appearance is obvious. Moreover, most congenital anomalies show some heritable tendencies.

That genetic tendencies, rather than merely shared environmental factors, are responsible for familial aggregates can also be deduced from twin studies. Monozygotic twins are much more likely to be concordant for any given anomaly than are dizygotic twins. Since either monozygotic or dizygotic twins are exposed to the same intrauterine environment, genetic factors must be invoked to explain the differences. On the other hand, monozygotic twins show less than 100% concordance for common traits, indicating existence of environmental as well as genetic factors.

GENETIC PROGRAMMING IN THE NUTFAH STAGE

COMPLEXITY DUE TO MULTIPLE MECHANISMS

by

Joe Leigh Simpson, M.D., University of Tennessee, Memphis, Tennessee, U.S.A.
Abdul Majeed A. Zindani and Mustafa A. Ahmed, King Abdul-Aziz University, Jeddah, Saudi Arabia

Several different genetic mechanisms are now known to be repsonsible for normal and abnormal human development. These include: (1) abnormalities of chromosome number or structure, (2) mutations at a single genetic locus (Mandolin), (3) cumulative effects of several genes (polygenics, all acting to produce a single phenotype. There exist in Islamic writings several citations that are consistent with the existence of these different genetic mechanisms. In this communication, we should consider several, relevant citations.

(i) Earlier Scientific Beliefs.

Although science now recognizes the concept that both male and female gametes contribute to the zygote, this has not always been accepted.

During the Middle Ages, it was believed that the male sperm contributed a miniature fetus contained within the sperm. (SLIDE) The female was believed to contribute nothing of a heritable nature. We now know, of course, that both male as well as female contribute chromosomal complements to make the diploid number of 46.

(ii) Genetic Control Beginning at Conception.

The multifaceted genetic contribution is specifically acknowledged in the Qur'an by the phrase "nutfah amshaj". (SLIDE - Nutfah Amshaj)

Of significance is that "amshaj" is a plural adjective, agreeing with the concept that nutfah is a multifaceted single entity. This multifaceted role for genetic programming begins early in development, but not prior to that. Only when the zygote fuses can the genetic contributions of both parents actually be determined. (SLIDE) "But out of nutfah, a man was created and immediately programmed."

The concept is, then, that after fertilization, programming begins. As an example of programming beginning only after conception. Recall that only if both parents are heterozygous (carriers of a recessive trait) will their offspring be affected. We also know